سو دن، سو پیاز اور....

نبی اکرم ﷺ کا آلۂ انقلاب

اللہ، اُس کے رسولؐ اور جہاد سے محبت

کہیں دلوں پر تالے تو نہیں پڑ چکے؟

علماء اہل سنت کی مشترکہ پریس کانفرنس

یورپ میں عثمانی سلاطین کی جدوجہد

پولیس بڑی ظالم ہے

سفاک مجرموں کے لیے رعایت کیوں؟

دعوتی وتربیتی سرگرمیاں

عالم اسلام

28

10 تا 16 جولائی 2008ء /6 تا 12 رجب المرجب 1429ھ

نورِ خدا کے دشمن؟

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(ترجمہ): ”یہ چاہتے ہیں کہ اللہ (کے چراغ) کی روشنی (اسلام) کو منہ سے (پھونک مار کر) بجھا دیں۔ حالانکہ اللہ اپنی روشنی کو پُورا کر کے رہے گا، خواہ کافر ناخوش ہی ہوں۔“ (الصف:8)

اس آیت میں یہود کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ وہ اپنے منہ کی پھونکوں سے اللہ کے نور کو بجھانا چاہتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ یہود ہی کے بارے میں یہ بات کیوں کہی گئی کہ وہ اللہ کے نور کو گل کرنا چاہتے ہیں؟ اس سوال کا جواب معلوم کرنے کے لیے جزیرہ نمائے عرب میں اس وقت مسلمانوں کے جو دشمن موجود تھے، ان پر ایک نگاہ ڈالنی ہوگی۔ ان میں سے ایک تو مشرکین تھے جن کے سرخیل قریش مکہ تھے مگر یہ بہت بہادر اور جری لوگ تھے، سامنے سے حملہ کرتے تھے۔ جبکہ دوسرے دشمن تھے یہود۔ یہ انتہائی بزدل تھے۔ ان کے بارے میں سورۂ حشر میں آیا ہے کہ یہ کبھی کھلے میدان میں مقابلہ نہیں کریں گے، ہاں چھپ کر قلعوں کے اندر سے پتھراؤ کریں گے۔ ابوجہل نے تو اپنے ”دین“ کے لیے بہرحال گردن کٹوائی مگر ان میں اس کی ہمت نہیں۔ یہ تو صرف پھونکوں سے کام چلانا چاہتے ہیں کیونکہ پروپیگنڈے اور سازشوں کے سوا ان کے پاس کچھ نہیں۔ مگر ان کی سازشوں اور پروپیگنڈے کے جواب میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”اللہ تعالیٰ اپنے نور کا اتمام کر کے رہے گا چاہے یہ کافروں کو کتنا ہی ناگوار کیوں نہ ہو“۔

آج کے حالات میں بھی اسی صورتحال کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ گویا۔

آگ ہے، اولاد ابراہیم ہے، نمرود ہے
کیا کسی کو پھر کسی کا امتحاں مقصود ہے؟

بعینہٖ یہی کیفیت یہود کی آج بھی ہے۔ اس وقت صیہونیت جس طرح اسلام کے اس نور کو بجھانے کی فکر میں ہے اور جس تیزی سے یہود اپنے منصوبے روبہ عمل لا رہے ہیں، اس کا اندازہ اس سے لگایئے کہ دنیا کی سب سے بڑی حکومت (Sole Supreme Power) کے سر پر بھی وہی سوار ہیں۔ انہوں نے اسلام کا راستہ روکنے کے لیے پوری دنیا میں اسلامی بنیاد پرستی اور انتہا پسندی کا ہوا بنا کر کھڑا کر دیا ہے۔

خلافت کی حقیقت

ڈاکٹر اسرار احمد

سورۃ الانعام

(آیات:141-142)

ڈاکٹر اسرار احمد

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم

﴿وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّغَيْرَ مَعْرُوْشٰتٍ وَّالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ وَالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۭ كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ ڮ وَلَا تُسْرِفُوْا ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿141﴾ وَمِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّفَرْشًا ۭ كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿142﴾﴾

’’اور اللہ ہی تو ہے جس نے باغ پیدا کیے چھتریوں پر چڑھائے ہوئے بھی اور جو چھتریوں پر نہیں چڑھائے ہوئے وہ بھی اور کھجور اور کھیتی جن کے طرح طرح کے پھل ہوتے ہیں اور زیتون اور انار جو (بعض باتوں میں) ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں اور (بعض باتوں میں) نہیں ملتے۔ جب یہ چیزیں پھلیں تو اُن کے پھل کھاؤ، اور جس دن (پھل توڑو اور کھیتی) کاٹو تو اللہ کا حق بھی اس میں سے ادا کرو اور بیجا نہ اُڑانا، کہ اللہ بے جا اُڑانے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ اور چار پایوں میں بوجھ اُٹھانے والے (یعنی بڑے بڑے) بھی پیدا کیے اور زمین سے لگے ہوئے (یعنی چھوٹے چھوٹے) بھی۔ (پس) اللہ کا دیا ہوا رزق کھاؤ اور شیطان کے قدموں پر نہ چلو۔ وہ تمہارا صریح دشمن ہے۔‘‘

یہ اللہ تعالیٰ کی خلاقی کا مظہر ہے کہ اُس نے دو قسم کے باغ اگائے، یعنی معروشات اور غیر معروشات...... معروشات میں وہ بیلیں شامل ہیں جو اپنے تنے پر کھڑی نہیں ہو سکتیں، مثلاً انگور کی بیلیں کہ اُن کو سہارا دے کر اوپر اٹھانا پڑتا ہے۔ غیر معروشات عام درخت ہیں، جو مضبوط تنے پر کھڑے ہوتے ہیں، مثلاً آم، جامن وغیرہ۔ اُس نے کھجور اگائی اور کھیتی اگائی جس کے ذائقے بڑے مختلف ہیں، اور زیتون اور انار کے درخت اور دوسرے درخت جو ایک دوسرے سے ملتے جلتے بھی ہیں اور مختلف بھی، جیسے Citrus family ہے، جس میں مالٹا، سنگترہ، کینو اور فروٹر شامل ہیں۔ یہ پھل ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں، مگر ان کے ذائقے مختلف ہیں۔ تو اُن کے پھلوں میں سے کھایا کرو جبکہ وہ پھل دیں، اور جس دن اُن کا پھل اتارو تو اس میں سے اُس (اللہ) کا حق دے دیا کرو۔ یعنی زرعی پیداوار میں بھی زکوٰۃ ہے، جسے عشر کہتے ہیں۔ ’کلوا‘ کے ساتھ ساتھ ’ولا تسرفوا‘ کی تنبیہ بھی فرما دی، یعنی پھلوں کو کھاؤ، لیکن یاد رکھو کہ اسراف کی ممانعت ہے۔ بے شک اللہ کو بے جا خرچ کرنے والے پسند نہیں ہیں۔

اور اُس خالق نے چوپائے بھی پیدا کیے ہیں جن میں کچھ ایسے ہیں کہ جن سے تم بار برداری کا کام لیتے ہو۔ یہ ذرا اونچے قد کے ہوتے ہیں مثلاً گدھا، گھوڑا، خچر، اونٹ وغیرہ۔ اور کچھ ایسے ہیں کہ بالکل زمین کے ساتھ لگے ہوئے ہیں، مثلاً بھیڑ بکری وغیرہ تو ان میں سے کھاؤ جو اللہ نے تمہیں رزق دیا ہے اور شیطان کے نقش قدم کی پیروی نہ کرو۔ یقیناً وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

فرمان نبویؐ

ذکر کی اہمیت وفضیلت

پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

عَنْ مُعَاذٍ رضی اللہ عنہ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اَخَذَ بِيَدِهٖ، وَقَالَ: ((يَا مُعَاذُ، وَاللّٰهِ اِنِّيْ لَاُحِبُّكَ فَقَالَ: اُوْصِيْكَ يَا مُعَاذُ لَا تَدَعَنَّ فِيْ دُبُرِ كُلِّ صَلٰوةٍ تَقُوْلُ: اَللّٰهُمَّ اَعِنِّيْ عَلٰى ذِكْرِكَ، وَشُكْرِكَ، وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ)) (رواہ ابوداوٗد)

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن میرا ہاتھ اپنے دست مبارک میں لے کر فرمایا: ’’اللہ کی قسم! اے معاذ مجھے تجھ سے محبت ہے! اور تم کو اسی جذبہ کے ساتھ ہدایت کرتا ہوں کہ ہر نماز کے بعد یہ دعا پڑھنی ترک نہ کرنا۔ اللهم اعنى على ذكرك و شكرك و حسن عبادتك، (اے اللہ تو اپنے ذکر، اپنے شکر، اور حسن وخوبی کے ساتھ اپنی عبادت ادا کرنے میں میری مدد فرما)‘‘۔

تشریح: اللہ کا ذکر بہت بڑی چیز ہے۔ قرآن مجید میں ہے، اللہ کا بہت ذکر کرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔ ذکر کی ایک صورت دعا ہے، جو عبادت کا مغز بلکہ سراسر عبادت ہے۔ فرض نماز کے بعد دعا کو شرف قبولیت حاصل ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذؓ کو دعا کے یہ الفاظ سکھائے جن میں اللہ تعالیٰ سے ذکر شکر اور حسن عبادت کی توفیق مانگی گئی ہے۔ اللہ کی توفیق کے بغیر کچھ نہیں ہوتا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ایوب بیگ مرزا

سو دن، سو پیاز اور سو جوتے!

18 فروری 2008ء کے انتخابات کے نتیجہ میں قائم ہونے والی پاکستان پیپلز پارٹی کی حکومت کے سو دن مکمل ہو گئے ہیں۔ کوئی ذی شعور ہی نہیں ذی ہوش شخص بھی یہ امید نہیں رکھتا تھا کہ سو دن میں انقلاب آ جائے گا۔ نیا پاکستان وجود میں آ جائے گا۔ پاکستان یکدم ترقی کی منازل طے کر لے گا وغیرہ وغیرہ۔ لیکن یہ امید یا کم از کم خواہش ضرور تھی کہ زوال تھم جائے گا۔ بگاڑ کو بریک لگ جائے گی۔ اباوٹ ٹرن سے پہلے جو چند لمحہ کے لئے رکا جاتا ہے اِن سو دن میں وہ رکنا ہو جائے گا۔ لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ایسا نہ ہو سکا۔ مہنگائی نے تمام سابقہ ریکارڈ توڑ دیئے ہیں۔ پاکستانی روپیہ بری طرح اپنی قدر کھو گیا ہے۔ افراطِ زر میں تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے۔ بیرونی سرمایہ کاری کے لیے اقدام کرنا دور کی بات ہے، اندرونی سطح پر سرمایہ کاری نہ ہونے کے برابر ہے۔ شنید ہے کہ سرمایہ دبئی منتقل ہو رہا ہے۔ سٹاک ایکسچینج کریش کر گیا ہے۔ صنعتی ادارے، بجلی اور گیس کی مہنگائی کے خلاف ہڑتال کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ پہلے 100 دن میں ہی وزراء کی کرپشن اور بدعنوانی کے واقعات سامنے آنے لگے ہیں۔ اغوا برائے تاوان کی وارداتیں عام ہو گئی ہیں۔ بدامنی اور لاقانونیت کا دور دورہ ہے۔ 30 دن میں جج بحال کرنے کے وعدہ سے حکومت صاف مکر گئی ہے۔ دھماکے پھر شروع ہو گئے ہیں۔ کشمیر ایشو کو مشرف نے تو CBM کی آڑ میں منظر سے غائب کیا تھا۔ زرداری صاحب اِس مسئلہ پر بھارتی موقف کی حمایت کر رہے ہیں۔ سچ پوچھئے، تو پاکستان کی حالت اِس وقت اُس مقام جیسی ہے جہاں کوئی بم پھٹا ہو، دہشت گردی کی کوئی تازہ واردات ہوئی ہو، چاروں طرف خون بہہ رہا ہو، بھگدڑ مچی ہو، زخمیوں کی چیخ و پکار سے کان پھٹ رہے ہوں۔ سب بول رہے ہوں مگر سننے والا کوئی نہیں ہو۔ ہمارا سامانِ زندگی ٹوٹ پھوٹ گیا ہے اور چاروں طرف بکھرا پڑا ہے۔ کوئی محافظ نہیں، کوئی نگراں نہیں۔ حکومت نامی کوئی شے نہ نظر آتی ہے، نہ محسوس کی جا سکتی ہے۔ حکومتی اتحاد بدترین اختلافات کا شکار ہے، جس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ 18 فروری کے بعد بُری طرح کارنر ہونے والا مشرف پھر بھڑکیں مارنے لگا ہے۔ پاکستان پیپلز پارٹی جو مشرف کو کان سے پکڑ کر نکال باہر کرنے کا دعویٰ کر رہی تھی، اُس کے سامنے کان پکڑے ہوئے ہے۔

18 فروری کے بعد ایک انتہائی خوش آئند بات ہوئی تھی کہ مرکزی اور سرحد حکومت کی طرف سے یہ اعلان کیا گیا تھا کہ وہ سوات، شمالی اور جنوبی وزیرستان اور تمام قبائلیوں سے طاقت کے ساتھ نمٹنے کی بجائے مذاکرات سے مسائل اور معاملات کو حل کریں گے۔ مخالف سمت سے بھی اِس کا خیر مقدم کیا گیا اور چند ہفتوں میں کئی معاہدے طے پا گئے۔ لیکن خارجی دشمن قوتیں یہ کیسے برداشت کر سکتی تھیں۔ امریکہ فوراً متحرک ہوا۔ مشرف کو بھی استعمال کیا گیا۔ لہٰذا حکمرانوں کا انداز بدل گیا۔ جن سے معاہدے کیے تھے، اُنہیں دہشت گرد کہا جانے لگا۔ محاذ آرائی پھر شروع ہو گئی۔ اب نام نہاد حکومت کا حال یہ ہے کہ امریکہ دباؤ ڈالتا ہے تو قبائلیوں اور عسکریت پسندوں کے خلاف سخت کارروائی شروع ہو جاتی ہے۔ ملک میں کہیں دھماکے ہوتے ہیں یا اندرونی سیاسی دباؤ بڑھتا ہے تو مذاکرات، امن اور ڈائیلاگ کی پکار شروع کر دیتی ہے۔ کوئی پالیسی سوچ سمجھ کر اور منصوبہ بندی سے نہیں بنائی جا رہی، بلکہ حالات اور اندرونی و بیرونی دباؤ کے تحت پالیسی میں خود بخود تبدیلی آ جاتی ہے۔ خصوصاً نام نہاد دہشت گردی کے خلاف امریکی جنگ کے معاملہ میں حکومت سو دن میں دباؤ کے تحت بار بار پالیسی بدل رہی ہے۔ محسوس یہ ہوتا ہے کہ حکومت سو پیاز بھی کھائے گی اور اُسے سو جوتے بھی کھانے پڑیں گے۔

بہرحال ملک بڑی تیزی سے تباہی و بربادی کی طرف بڑھ رہا ہے۔ یہ ایک دوسرے کا منہ دیکھنے اور خاموش تماشائی بننے کا وقت نہیں۔ ابھی وقت ہے اگر کچھ لوگ کمر باندھ لیں اور اٹھ کھڑے ہوں، اللہ نے چاہا تو وہ ناممکن کو ممکن بنا دیں گے۔ ضرورت ہے خلوص اور نیک نیتی کی، ہمت اور عزم کی۔ اللہ یقیناً اُن کی مدد کرتا ہے جو اپنی مدد آپ کرتے ہیں۔ یاد رکھیے، حالات حالات سے سمجھوتہ کرنے سے نہیں بلکہ حالات کا مقابلہ کرنے سے بدلتے ہیں۔ فرد ہو یا قوم زندہ وہ رہتا ہے جو مرنے کی آرزو رکھتا ہو۔

تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

قیام خلافت کا نقیب

ہفت روزہ — لاہور

ندائے خلافت

جلد 17 — شمارہ 28
10 تا 16 جولائی 2008ء
6 تا 12 رجب المرجب 1429ھ

بانی: اقتدار احمد مرحوم
مدیر مسئول: حافظ عاکف سعید
نائب مدیر: محبوب الحق عاجز

مجلس ادارت
سید قاسم محمود۔ ایوب بیگ مرزا
سردار اعوان۔ محمد یونس جنجوعہ
نگران طباعت: شیخ رحیم الدین

پبلشر: محمد سعید اسعد طابع: رشید احمد چوہدری
مطبع: مکتبہ جدید پریس، ریلوے روڈ لاہور

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی:
67-اے، علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو، لاہور-54000
فون: 6366638 - 6316638 فیکس: 6271241
E-Mail:markaz@tanzeem.org
مقام اشاعت: 36-کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور-54700
فون: 03-5869501

قیمت فی شمارہ 5 روپے

سالانہ زرِ تعاون
اندرونِ ملک......250 روپے
بیرون پاکستان
انڈیا---------(2000 روپے)
یورپ، ایشیا، افریقہ وغیرہ (2500 روپے)
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ (3000 روپے)
ڈرافٹ، منی آرڈر یا پے آرڈر
"مکتبہ خدام القرآن" کے عنوان سے ارسال کریں
چیک قبول نہیں کیے جاتے

"ادارہ" کا مضمون نگار حضرات کی رائے سے پورے طور پر متفق ہونا ضروری نہیں

ساقی نامہ (چھٹا بند)

[بالِ جبریل]

یہ موجِ نفس کیا ہے؟ تلوار ہے! — خودی کیا ہے؟ تلوار کی دھار ہے!
خودی کیا ہے؟ رازِ درونِ حیات! — خودی کیا ہے؟ بیداریٔ کائنات!
خودی جلوہ بد مست و خلوت پسند! — سمندر ہے اک بوند پانی میں بند!
اندھیرے اجالے میں ہے تابناک! — من و تو میں پیدا، من و تو سے پاک!
ازل اس کے پیچھے، ابد سامنے! — نہ حد، اس کے پیچھے نہ حد سامنے!
زمانے کے دریا میں بہتی ہوئی — ستم اس کی موجوں کے سہتی ہوئی
تجسس کی راہیں بدلتی ہوئی — دما دم نگاہیں بدلتی ہوئی
سُبک اس کے ہاتھوں میں سنگِ گراں! — پہاڑ اس کی ضربوں سے ریگِ رواں!
سفر اس کا انجام و آغاز ہے — یہی اس کی تقویم کا راز ہے!
کرن چاند میں ہے، شرر سنگ میں — یہ بے رنگ ہے، ڈوب کر رنگ میں
اسے واسطہ کیا کم و بیش سے — نشیب و فراز و پس و پیش سے!
ازل سے ہے یہ کشمکش میں اسیر — ہوئی خاکِ آدم میں صورت پذیر
خودی کا نشیمن ترے دل میں ہے — فلک جس طرح آنکھ کے تِل میں ہے

1۔ اِس بند میں اقبال نے خودی کی حقیقت بیان کی ہے۔ کہتے ہیں کہ انسانی خودی زندگی کی سب سے اعلیٰ صورت یا انتہائی ترقی یافتہ شکل ہے۔ اگر زندگی کو تلوار فرض کیا جائے تو خودی اُس کی دھار ہے، اور جس طرح دھار کے بغیر تلوار بے کار ہے، اسی طرح خودی نہ ہو تو زندگی بے معنی ہے۔ خودی ہی دراصل روحِ حیات ہے۔ اس کے بغیر زندگی کی کوئی وقعت نہیں۔

2۔ خودی ایک ایسا راز ہے جسے زندگی نے محفوظ اور پوشیدہ رکھا ہوا ہے، اور یہ خودی ہی ہے کہ پوری کائنات کو بیداری کا پیغام دیتی ہے۔ جس طرح بے شعور انسان کا وجود بے معنی ہے، اسی طرح کائنات خودی سے خالی ہو تو بے مقصد اور بے معنی ہو کر رہ جاتی ہے۔

3۔ جلوت اور خلوت دونوں صورتوں میں خودی اپنا کمال دکھاتی ہے اور یوُں محسوس ہوتا ہے کہ خودی کی شکل میں سمندر ہے جو محض ایک قطرے میں بند ہے۔ مراد یہ ہے کہ خودی تو ایک ایسا جوہر ہے جو پوری زندگی پر محیط ہے۔

4۔ خودی کی روشنی محض تاریکی ہی کو نہیں، اجالے کو بھی زیادہ تابناک بنا دیتی ہے۔ یعنی خودی عملاً اندھیرے اُجالے کا امتیاز کیے بغیر دونوں صورتوں میں اپنا جلوہ دکھاتی ہے، اور کوئی شے اُس کی راہ میں حائل نہیں ہو سکتی۔

5۔ خودی کا وجود آغازِ کائنات سے پہلے بھی تھا اور آئندہ روزِ حشر تک برقرار رہے گا۔ عملاً خودی کے نزدیک ہر دو زمانوں کی کوئی اہمیت نہیں۔

6۔ مذکورہ صلاحیتوں کے باجود اگر یہ تصور کر لیا جائے کہ زمانہ ایک دریا کی مانند ہے تو یہ کہنا غلط نہ ہو گا کہ خودی ایک ایسا مظلوم جذبہ ہے جو اس دریا میں بہتا ہوا، دریا سے پیدا ہونے والی اور بپھری ہوئی موجوں کے مظالم سہہ رہا ہے۔ مراد یہ ہے کہ جذبۂ خودی زمانے کی ناقدری سے متصادم ہو رہا ہے۔

7۔ خودی کی تلاش عملاً بڑا مشکل مسئلہ ہے کہ اس تک رسائی کے لیے طرزِ عمل حالات کے مطابق بدلتا رہتا ہے، اور اس طرزِ عمل کی طرح نظروں میں بھی تبدیلی آتی رہتی ہے۔ مُراد یہ ہے کہ خودی کو درجۂ کمال تک پہنچنے کے لیے انتہائی کٹھن اور پیچیدہ راستوں سے گزرنا پڑتا ہے۔

8۔ اور جب اس عمل کے بعد خودی ایک مستحکم اور شدید جذبہ بن کر ابھرتی ہے تو بھاری پتھر بھی اس کے لیے سبک اور بے وزن ہو کر رہ جاتا ہے۔ حتیٰ کہ اس کی ضربوں سے پہاڑ بھی ریزہ ریزہ ہو کر ریت میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ اقبال یہ کہنا چاہتے ہیں کہ جب خودی کا جذبہ مستحکم ہوتا ہے تو بڑی سے بڑی چیز بھی اُس کے سامنے ہیچ ہوتی ہے۔

9۔ سفر سے مُراد یہاں حرکت اور جدوجہد ہے کہ حرکت اور جدوجہد کے بغیر منزل تک رسائی مشکل ہی نہیں، ناممکن بھی ہوتی ہے۔

10۔ خودی کا جذبہ چاند میں کرن کی صورت اختیار کر لیتا ہے، اسی طرح وہ پتھر میں چنگاری کا رُوپ دھار لیتا ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ رنگ میں غوطہ لگانے پر بھی وہ بے رنگ ہی رہتا ہے۔ دوسری اشیاء میں گم ہو کر نہیں رہ جاتا، اس لیے کہ جذبہ مادی نہیں، بلکہ رُوحانی ہے۔

11۔ خودی کو بلندی و پستی اور کمی و زیادتی سے کوئی واسطہ نہیں، اس لیے کہ اس کا مادی اشیاء سے کوئی تعلق نہیں۔

12۔ آغازِ کائنات سے خودی کشمکش میں مبتلا رہی ہے کہ اس کا حقیقی مسکن کہاں ہے؟ بالآخر اس پر انکشاف ہُوا کہ آدمِ خاکی کا جسم ہی اُس کی پناہ گاہ بن سکتا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ انسان اور صرف انسان ہی خودی کی اہمیت سے آگاہ ہے۔ اس کے علاوہ کوئی دوسری شے اُس کے مقام و مرتبہ کا اندازہ کرنے کی قطعی اہل نہیں۔

13۔ جس طرح مختصر اور محدود سی آنکھ آسمان کی وسعتوں کو اپنے اندر سمیٹ لیتی ہے، اُسی طرح سے یہ جان لینا چاہیے کہ خودی کا حقیقی مقام دل ہے۔

بسلسلہ حکمت و احکام جمعہ

نبی اکرم ﷺ کا آلۂ انقلاب: قرآن حکیم

سورۃ الجمعہ کی آیات 1 تا 8 کی روشنی میں

مسجد دار السلام باغ جناح، لاہور میں امیر تنظیم اسلامی محترم حافظ عاکف سعید کے 4 جولائی 2008ء کے خطاب جمعہ کی تلخیص

[سورۃ الجمعہ کی آیات 1 تا 8 کی تلاوت اور خطبۂ مسنونہ کے بعد]

حضرات! گزشتہ دو اجتماعات جمعہ میں حکمت و احکام جمعہ کا بیان ہوا ہے۔ جمعہ کے احکام سورۃ الجمعہ کے دوسرے رکوع میں آئے، لہٰذا اُن کو واضح کیا گیا۔ اِن گفتگوؤں کا حاصل یہ ہے کہ جمعہ دراصل مسلمانوں کے لیے ایک ہفتہ وار تربیتی اجتماع اور تعلیم قرآن کا پروگرام ہے۔ اس میں خطیب کی تقریر کا مرکز و محور قرآن ہونا چاہیے۔ سورۃ الجمعہ کے پہلے رکوع میں اسی بات کو تاکیدی انداز میں واضح کیا گیا ہے، یعنی قرآن مجید کے مقام کو پہچانو اور اس کے حقوق کی ادائیگی کی فکر کرو۔

آیئے، اِن آیات کا ترتیب وار مطالعہ کریں۔ فرمایا:

﴿يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۝﴾

''جو چیز آسمانوں میں ہے اور جو چیز زمین میں ہے سب اللہ کی تسبیح کرتی ہے جو بادشاہ حقیقی، پاک ذات، زبردست، حکمت والا ہے۔''

اِس سورۃ (الجمعہ) کا آغاز تسبیح باری تعالیٰ سے ہو رہا ہے۔ اِس کے علاوہ چار اور مدنی سورتیں ہیں جن کا آغاز اللہ کی تسبیح کے ذکر سے ہوا ہے۔ یہ سورتیں الحدید، الحشر، الصف اور التغابن ہیں۔ کائنات کی ہر شے اللہ تعالیٰ کی تسبیح کر رہی ہے۔ چرند و پرند، جمادات و نباتات، سنگریزے اور پتھر، الغرض ریت کا ہر ہر ذرہ اور درخت کا ہر ہر پتہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح میں مشغول ہے۔ یہ تسبیح قولی بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر مخلوق کو تسبیح کا طریقہ بتا دیا ہے، اور وہ اُس کی تسبیح میں لگی ہوئی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ہم دوسری مخلوقات کی تسبیح کو سمجھ نہیں سکتے۔ جیسا کہ سورۂ بنی اسرائیل میں الفاظ آئے ہیں: ''ساتوں آسمان اور زمین اور جو لوگ ان میں ہیں سب اسی کی تسبیح کرتے ہیں اور (مخلوقات میں سے) کوئی چیز نہیں مگر اس کی تعریف کے ساتھ تسبیح کرتی ہے لیکن تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے......'' (آیت: 44)

یہ تسبیح حالی بھی ہے۔ کائنات کی ہر شے، ہر مخلوق زبانِ حال سے بھی اِس بات کا اعلان کر رہی ہے کہ میرا خالق، میرا صانع، میرا موجد ہر عیب، ہر نقص اور ہر کمزوری سے پاک ہے۔ ایک آرٹسٹ جب آرٹ کا ایک عمدہ نمونہ تخلیق کرتا ہے تو لوگ اُسے دیکھ کر آرٹسٹ کے کمالِ فن کی داد دیتے ہیں۔ یہ نمونۂ آرٹ خود زبانِ حال سے کہہ رہا ہوتا ہے کہ میرا بنانے والا واقعی کمالِ فن کا ماہر ہے۔ تو یہ حسین و جمیل کائنات جو اللہ نے بنائی ہے، زبانِ حال سے اللہ کی صناعی اور کاریگری اور اُس کی عظمت و کبریائی کو بیان کر رہی ہے۔

آیت کے دوسرے حصے میں بتایا کہ جس اللہ بزرگ و برتر کی ہر شے تسبیح بیان کر رہی ہے، اُس کی صفات کیا ہیں۔ وہ ''الملک'' یعنی بادشاہ حقیقی ہے۔ پوری کائنات کی حکمرانی اُسی کے پاس ہے۔ وہی تمام اختیارات اور قوتوں کا مالک ہے۔ اُس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ وہ ''القدوس'' یعنی مجسم پاکیزگی ہے۔ اُس کی ذات ہر عیب اور ہر نقص سے پاک ہے۔ اُس کے ساتھ حسی یا معنوی کسی بھی نوع کی کوئی آلائش وابستہ نہیں ہے۔ وہ ''العزیز'' یعنی زور آور ہے۔ دنیا میں بادشاہوں کا معاملہ یہ ہوتا ہے کہ اُن کی بادشاہت، اور ساری قوت اُس کے درباریوں اور فوج کے سہارے قائم ہوتی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کا معاملہ ایسا نہیں ہے۔ اُس کی طاقت و اختیار کسی اور کے سہارے نہیں بلکہ وہ از خود زبردست ہے اور ہر چیز اُس کے تابع ہے۔ وہ ''الحکیم'' یعنی صاحب حکمت ہے۔ اُس کا ہر کام مبنی بر حکمت ہوتا ہے۔ اُس کی حکمت کامل بھی ہے اور لامحدود بھی۔

دوسری آیت میں نبی اکرم ﷺ کی چار شانوں کا ذکر ہے:

﴿هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۗ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝﴾

''وہی تو ہے جس نے اُمیّین میں انہی میں سے (محمد کو) پیغمبر (بنا کر) بھیجا۔ جو اُن کے سامنے اُس کی آیتیں پڑھتے اور اُن کو پاک کرتے اور (اللہ کی) کتاب اور دانائی سکھاتے ہیں۔ اور اس سے پہلے تو یہ لوگ صریح گمراہی میں تھے۔''

اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کو اُمیّین میں مبعوث فرمایا۔ اُمیّین (اَن پڑھ) عرب کو کہا، جو مروجہ معنوں میں علم و ہنر سے نا آشنا تھے۔ وہ معمولی لکھنا پڑھنا بھی بہت کم جانتے تھے۔ ان کی جہالت کا یہ حال تھا کہ خدا کو بھولے ہوئے تھے اور بت پرستی اور فسق و فجور میں مبتلا ہونے کے باوجود اپنے آپ کو ملتِ ابراہیمی پر قرار دیتے تھے۔ وہ صریح گمراہی میں پڑے بھٹک رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے انہی میں سے ایک رسول اُٹھایا، جس کا امتیازی لقب نبی اُمّی ہے۔ آپ کی شان کیا ہے؟ اِس ضمن میں چار چیزوں کا ذکر ہوا۔ ایک یہ کہ آپ لوگوں کو اللہ کی آیات پڑھ کر سناتے ہیں۔ دوسرے اُن کا تزکیہ کرتے ہیں، انہیں مکارمِ اخلاق سکھاتے ہیں۔ تیسرے انہیں کتاب اللہ کی تعلیم دیتے ہیں۔ اور چوتھے انہیں حکمت سے روشناس کراتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ کی شان میں اِس طرح کے الفاظ قرآن حکیم میں اور مقامات پر بھی آئے ہیں۔ جیسا کہ سورۂ آل عمران میں فرمایا: ''اللہ نے مومنوں پر بڑا احسان کیا ہے کہ ان میں انہیں میں سے ایک پیغمبر بھیجے۔ جو اُن کو اللہ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے اور ان کو پاک کرتے اور (اللہ کی) کتاب اور دانائی سکھاتے ہیں اور پہلے تو یہ لوگ صریح گمراہی میں تھے۔'' (آیت: 164)

نبی اکرم ﷺ نے اپنی یہ چار ذمہ داریاں اِس طور

سے انجام دیں کہ کفر و شرک میں ڈوبے ہوئے اہل عرب توحید کے علمبردار بن گئے۔ وہ جو اخلاق سے عاری تھے، معلم اخلاق کے منصب پر فائز ہو گئے۔ آپؐ نے یہی کام کر کے وہ حزب اللہ تیار کی، جس کے ذریعے ادیان باطلہ پر اسلام کو غالب فرما دیا اور نوع انسانی کے سامنے بالفعل ایک ایسا عادلانہ و منصفانہ نظام کا نقشہ پیش کیا، جو ہر قسم کی افراط و تفریط، ظلم و جور، استحصال و استبداد سے پاک تھا۔

اِس آیت کا سلسلہ ماقبل آیت سے جوڑیے، ایک حسین ربط دکھائی دے گا۔ وہاں اللہ کی صفت ''الملک'' (بادشاہ) کا ذکر آیا ہے۔ یہاں نبی اکرمﷺ کا ایک کام یتلوا علیھم ایاتہ بیان ہوا ہے۔ گویا آپؐ تلاوت آیات کے ذریعے لوگوں کو، بادشاہ حقیقی کے احکامات اور فرامین سے روشناس کراتے ہیں۔ وہاں اللہ کی دوسری صفت ''القدوس'' (مجسم پاکیزگی) ذکر ہوئی ہے۔ یہاں آپ کا دوسرا کام تزکیہ بیان ہوا ہے۔ انسان کے اندر بہت سی اخلاقی بیماریاں ہیں، مثلاً اُس میں تکبر، غصہ، کینہ و انتقام اور حسد ہے۔ یہ وہ بیماریاں ہیں جو اُس کی روحانی ترقی میں رکاوٹ اور اُس کے اخلاقی تنزل کا باعث ہیں۔ جب تک اِن بیماریوں کا علاج نہ ہوگا، سیرت و کردار میں پاکیزگی اور اخلاق میں ترفع نہیں آئے گا۔ چنانچہ آپؐ لوگوں کا تزکیہ فرماتے رہے، تاکہ اُن میں اعلیٰ کردار کی خوبیاں پیدا ہوں۔ پچھلی آیت میں اللہ کی تیسری صفت ''العزیز'' (زبردست) بیان ہوئی ہے۔ یہاں آپؐ کا تیسرا کام ''ویعلمھم الکتاب'' بیان ہوا۔ یعنی آپؐ اُس ہستی کے عطا کردہ قانون و شریعت کی تعلیم دیتے ہیں جو زبردست ہے اور تمام اختیارات کی مالک ہے۔ اللہ کی چوتھی صفت ''الحکیم'' (صاحب حکمت) بیان ہوئی ہے۔ یہاں رسول خداﷺ کے چوتھے کام تعلیم حکمت کا ذکر ہوا ہے۔ حکمت کیا ہے؟ حکمت دانائی اور فہم و فراست کی بلند ترین سطح ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں پہنچ کر آدمی احکامات دین کی اصل روح سے آگاہ ہوتا ہے۔ چنانچہ حکمت کو تفقہ فی الدین کا نام بھی دیا گیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا: اللہ جس کو خیر سے نوازتا ہے اُسے دین کی سمجھ بوجھ عطا فرما دیتا ہے۔ جو شخص اس صلاحیت سے عاری ہو، خواہ اُس کے پاس احکامات دین کا کتنا ہی علم ہو، اُس کے پاس کتنی ہی معلومات ہوں، وہ روح دین سے ناآشنا رہے گا۔ اقبال کہتے ہیں۔

اے اہلِ نظر ذوق نظر خوب ہے لیکن
جو شے کی حقیقت کو نہ سمجھے وہ نظر کیا

آپؐ نے اپنی تعلیم حکمت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کو حکمت کی معراج پر پہنچا دیا۔

اگر غور کیا جائے، تو آپؐ کے متذکرہ چاروں کام قرآن حکیم کے گرد گھوم رہے ہیں۔ یتلوا علیھم ایاتہ میں آیات قرآنی کی تلاوت کا ذکر ہے۔ یزکیھم میں تزکیہ کا تذکرہ ہے، اور ظاہر ہے کہ اس کا منبع اور سرچشمہ قرآن حکیم ہے۔ قرآن ہی باطنی بیماریوں کا علاج ہے، اسی سے انسان کا تزکیہ ہوتا ہے۔ جیسا کہ سورۂ یونس میں فرمایا: ''لوگو، تمہارے پاس پروردگار کی طرف سے نصیحت اور دلوں کی بیماریوں کی شفا اور مومنوں کے لیے ہدایت اور رحمت آپہنچی ہے۔'' (آیت:57) یعلمھم الکتاب میں تعلیم کتاب سے مراد قرآن حکیم بالخصوص احکامات شرعیہ کی تعلیم ہے۔ تعلیم حکمت کا ذریعہ بھی قرآن ہے، کہ قرآن کتاب حکیم ہے، حکمت سے بھرا ہوا ربانی کلام ہے۔ آپؐ نے اِسی کتاب زندہ سے اہل عرب کی کایا پلٹ دی، حالانکہ اِس سے پہلے وہ کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔ وان کانوا من قبل لفی ضلل مبین۔ آپؐ نے اپنی دعوت سے کفر و شرک، سرکشی و نافرمانی کے اندھیروں میں ڈوبی ہوئی قوم میں فکری و عملی انقلاب برپا کر دیا۔ اُن کے عقائد و افکار بدل گئے۔ اُن کے اخلاق و کردار میں انقلاب آ گیا۔ طرز زندگی بدل گیا۔ اندازِ نشست و برخاست میں تبدیلی آ گئی۔ سوچ اور فکر بدل گئی۔ زاویہ نگاہ اور نقطۂ نظر بدل گیا۔ اس ہمہ گیر تبدیلی کا آلہ قرآن حکیم تھا۔ الطاف حسین حالی نے کیا خوب کہا ہے۔

اتر کر حرا سے سوئے قوم آیا
اور اک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا

تیسری آیت ہے:

﴿وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝﴾

''اور ان میں سے اور لوگوں کی طرف بھی (ان کو بھیجا ہے) جو ابھی ان (مسلمانوں سے) نہیں ملے اور وہ غالب حکمت والا ہے۔''

نبی اکرمﷺ کی ایک بعثت خصوصی ہے، جو اہل عرب کے لیے تھی۔ جن کے لیے قرآن حکیم نے امیین کا لفظ استعمال کیا ہے۔ ایک بعثت عمومی ہے جو پوری نوع انسانی کے لیے ہے۔ امت مسلمہ صرف امیین پر مشتمل نہیں بلکہ آپؐ کی تشریف آوری کے زمانے سے لے کر قیامت تک آنے والے وہ تمام افراد اِس میں شامل ہیں، جو آپؐ کی دعوت حق کو قبول کر لیں، خواہ اُن کا تعلق کسی بھی زمانے سے ہو اور وہ دنیا کے کسی بھی خطے سے تعلق رکھتے ہوں۔ ہم سب بھی اِسی امت کا حصہ ہیں۔

اگلی آیت میں فرمایا:

﴿ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝﴾

''یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے اور اللہ بڑے فضل کا مالک ہے۔''

اللہ کا فضل کن پر ہوا ہے؟

اللہ کا سب سے بڑا فضل نبی کریمﷺ کی ذات بابرکات پر ہوا۔ اللہ نے آپؐ کو اتنا بلند مقام و مرتبہ عطا فرمایا کہ قیامت تک آنے والے انسانوں کے لیے اپنا رسول بنا کر بھیجا۔ اور آپؐ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنایا۔ سورۃ النساء میں بھی یہ بات بیان فرمائی گئی: ''(اے نبی) آپؐ پر اللہ کا جو فضل ہوا ہے، وہ عظیم ترین ہے۔''

پھر اللہ کا فضل امیین پر ہوا کہ انہی میں سے آپؐ کی بعثت ہوئی۔ انہیں اتنا بڑا اعزاز عطا ہوا۔ یہودی اِس بات کے منتظر تھے کہ آخری نبی کی بعثت بنی اسرائیل میں سے ہو گی، مگر وہ اِس اعزاز سے محروم رہے۔ اللہ تعالیٰ نے بنو اسمٰعیل میں سے آپؐ کو مبعوث فرمایا۔

اِس کے بعد اللہ کا فضل قیامت تک آنے والے ان لوگوں پر ہوا ہے، جو آپ کو دعوت حق قبول کر کے آپؐ کی امت میں شامل ہو جائیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کا تذکرہ ''واخرین منھم ......'' کے الفاظ میں ہوا ہے۔ امیین کے علاوہ آپؐ کی امت میں روم و ایران، چین، پاک و ہند اور دنیا کے دوسرے خطوں کے وہ تمام افراد شامل ہیں جو آپؐ پر ایمان رکھتے ہیں۔ ہم لوگوں کا امت محمدیہؐ میں شامل ہو جانا اور قرآن عظیم جیسی دولت کا پالینا اللہ کے بہت بڑے فضل کا مظہر ہے۔ ہمیں چاہیے کہ اِس انعام و اکرام کی قدر کریں، اور قرآن حکیم اور سنت رسولﷺ سے متمتع ہونے میں کوتاہی

اللہ نے ہمیں قرآن عظیم جیسی دولت سے نوازا، مگر افسوس کہ ہم نے بھی قرآن کے ساتھ وہی سلوک کیا جو یہودیوں نے تورات کے ساتھ کیا۔ قرآن اِس لیے نازل ہوا تھا کہ ہم اُسے اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کا دستور بناتے مگر ہم نے اُسے محض ایصال ثواب کا ذریعہ بنا دیا ہے

یا غفلت کا مظاہرہ نہ کریں۔

اگلی آیت میں بطورِ عبرت یہود کی مثال بیان کی گئی ہے کہ جنہوں نے اپنی کتاب اور پیغمبر سے استفادہ کرنے میں سخت کوتاہی برتی اور حد درجہ غفلت کا مظاہرہ کیا۔ فرمایا:

﴿مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا ۭ﴾ (آیت:5)

”جن لوگوں (کے سر) پر تورات لدوائی گئی پھر انہوں نے اس (کے بارِ تعمیل) کو نہ اٹھایا، ان کی مثال گدھے کی سی ہے، جس پر بڑی بڑی کتابیں لدی ہوں۔“

بنی اسرائیل جو سابقہ امت مسلمہ تھی، اُس پر اللہ کا بڑا فضل ہوا تھا۔ اللہ نے اُسے تمام جہان والوں پر فضیلت عطا کی تھی۔ اللہ نے اُن میں سے بے شمار نبی بھیجے۔ بالخصوص انہیں کتاب تورات عطا فرمائی جس میں ہدایت اور روشنی تھی لیکن انہوں نے فضل خداوندی پر اُس کا شکر ادا نہ کیا، بلکہ کفرانِ نعمت کی روش اپنائی۔ اللہ کی شریعت کو پامال کیا۔ انبیاء کو قتل کیا۔ اللہ کے احکامات کی صریح نافرمانی کی۔ کتاب تورات کی تعلیمات سے اعراض کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اُن پر ذلت و مسکنت تھوپ دی گئی اور وہ غضب الٰہی کا شکار ہوئے۔ یہاں بتایا کہ جب انہوں نے تعلیمات تورات کی خلاف ورزی کی تو اُن کی مثال ایک گدھے کی سی ہوگئی جس پر کتابوں کا بوجھ لاد دیا گیا ہو۔ ایک گدھے پر علم و حکمت کی پچاس کتابیں لاد دو، اُس کو بوجھ میں دبنے کے سوا کچھ نہ ملے گا۔ گدھے کو تو صرف گھاس کھانے سے غرض ہوتی ہے، وہ تو ہری ہری گھاس کی تلاش میں رہتا ہے۔ اسے اس بات سے کوئی سروکار نہیں ہوتا کہ اُس کی پیٹھ پر لعل و جواہر لادے ہوئے ہیں۔

اس مثال میں ہمارے لیے بھی عبرت کا سامان ہے، کہ ہم پر بھی اللہ کا بہت بڑا فضل ہوا کہ ہمیں قرآن عظیم جیسی دولت سے نوازا گیا، مگر افسوس کہ ہم نے بھی قرآن کے ساتھ وہی سلوک کیا جو یہودیوں نے تورات کے ساتھ کیا۔ قرآن اس لیے نازل ہوا تھا کہ ہم اُس سے ہدایت حاصل کرتے، اُسے اپنا امام اور رہنما بناتے، اُسے اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کا دستور بناتے مگر ہم نے اُسے محض ایصال ثواب کا ذریعہ بنا دیا ہے۔ نہ اُس کی تلاوت کرتے ہیں، نہ اُس میں غور و فکر کرتے ہیں، نہ اُس پر عمل کرتے ہیں۔

اسی آیت میں آگے فرمایا:

﴿بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝﴾

”جو لوگ اللہ کی آیتوں کی تکذیب کرتے ہیں ان کی مثال بری ہے اور اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔“

یہ بات واضح ہو کہ یہود نے کبھی اِس معانی میں تورات کو نہیں جھٹلایا کہ ہم اِسے اللہ کی کتاب نہیں مانتے، بلکہ انہیں بڑا فخر تھا کہ ہم اہل کتاب ہیں، اور یہ امیین اور باقی لوگ جنہیں آسمانی ہدایت نہیں ملی، وہ گوئم ہیں۔ اُن کا اصل جرم یہ تھا کہ وہ کتاب اللہ پر عمل نہیں کرتے تھے۔ اُس کے قانون کو اپنی زندگیوں پر نافذ نہیں کیا تھا۔ وہ ہوائے نفس کی پیروی کرتے تھے۔ چنانچہ اُن کے اِس طرزِ عمل کو تکذیب قرار دیا گیا۔ یہ تکذیب عملی ہے۔ قرآن مجید میں یہود کا تذکرہ ہمیں آئینہ دکھانے کے لیے ہے۔ افسوس کہ آج ہم بھی اِسی تکذیب عملی کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔ انفرادی سطح پر بھی قرآن سے دوری کا چلن عام ہے، اور اجتماعی سطح پر بھی سیکولرازم کے نفاذ کے لیے قرآنی قوانین کی دھجیاں اڑا رہے ہیں۔ آئین و قانون میں رہی سہی اسلامیت کو کھرچنے کی کوششیں کی جا رہی ہیں۔ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ موجودہ حکومت سزائے موت کو ختم کرنے کی مذموم سعی کر رہی ہے۔ اِس کا مطلب یہ ہے کہ (نعوذ باللہ) حکمرانوں کے نزدیک قرآن و سنت کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ یہ وہی ڈھٹائی اور دیدہ دلیری ہے جس کا مظاہرہ سابق حکمرانوں نے کیا کہ وہ نام نہاد تحفظ حقوق نسواں بل جسے تمام حکمرانوں نے غیر شرعی قرار دیا تھا، اُسے منظور کیا۔ قرآن کی یہ تکذیب عملی اللہ کے غضب کو بھڑکانے والی بات ہے۔ ہمارے حکمرانوں کو اِس جسارت سے باز آ جانا چاہیے۔ اگر ہم نے اللہ سے غداری اور بے وفائی کی روش ترک نہ کی، اور قانون و شریعت کے خلاف اقدامات کرتے رہے، تو ہماری ذلت و رسوائی اور امریکی غلامی کا سلسلہ اور دراز ہوتا چلا جائے گا۔ ہم کبھی بھی موجودہ زبوں حالی سے نہ نکل سکیں گے۔

آگے فرمایا:

﴿قُلْ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْٓا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِيَاۗءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ وَلَا يَتَمَنَّوْنَهٗٓ اَبَدًۢا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ۝﴾

”کہہ دو کہ اے یہود اگر تم کو یہ دعویٰ ہے کہ تم ہی اللہ کے دوست ہو اور لوگ نہیں تو اگر تم سچے ہو تو (ذرا) موت کی آرزو تو کرو اور یہ اُن (اعمال) کے سبب جو کر چکے ہیں ہرگز اُس کی آرزو نہ کریں گے اور اللہ ظالموں سے خوب واقف ہے۔“

یہودیوں کو یہ زعم تھا کہ ہم اللہ کے چہیتے ہیں، باوجود اس کے کہ وہ کردار و عمل کے بدترین بحران میں مبتلا تھے۔ یہاں اللہ نے فرمایا کہ اگر یہودیوں کا یہی خیال ہے تو پھر موت کی آرزو کریں اور ساتھ ہی یہ واضح کر دیا کہ یہ اپنے کرتوتوں کے سبب کبھی موت کی تمنا نہیں کریں گے۔ یہی بات ہم میں بھی ہے۔ ہم بھی یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ کا ہم پر خصوصی فضل ہے۔ اور یہ بات صحیح بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں نبی ﷺ کی امت کا حصہ بنایا اور قرآن جیسی عظیم کتاب ہدایت عطا فرمائی۔ مگر ہمارا قصور یہ ہے کہ ہم نے اس فضل اور انعام کی قدر دانی نہ کی، بلکہ یہودیوں کی طرح حُبِّ دنیا اور مال و دولت کی محبت میں مبتلا ہو گئے۔ جس کی بنا پر آج دنیا میں ذلیل و رسوا ہیں اور ہماری حالت وہ ہے جس کی طرف ایک حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے کہ مسلمانو، ایک وقت آئے گا۔ تم پر غیر مسلم اقوام ایسے ٹوٹ پڑیں گے جیسے کھانا کھانے والے دسترخوان پر ٹوٹ پڑتے ہیں اور اس کی وجہ قلت تعداد نہ ہوگی بلکہ ”وھن“ ہوگا۔ وھن سے مراد دنیا سے محبت اور موت سے نفرت ہے۔

دراصل جب مسلمانوں کا قرآن سے تعلق کمزور ہو جائے تو حبِّ دنیا اُن کے مزاج کا حصہ بن جاتی ہے، اور انہیں بزدلی گھیر لیتی ہے، جرأتمندی اور بہادری کے اوصاف اُن سے رخصت ہو جاتے ہیں۔ یہی معاملہ کل یہودیوں کے ساتھ ہوا تھا اور یہی حالت آج ہماری ہے۔ اب اس کا علاج یہ ہے کہ موت کو یاد کیا جائے اور قرآن سے اپنا ٹوٹا رشتہ دوبارہ استوار کیا جائے۔

اِس رکوع کی آخری آیت میں بتایا کہ (یہودیو) تم موت سے جتنا بھی ڈرو وہ بالآخر تمہیں آ دبوچے گی۔

﴿قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِيْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِيْكُمْ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝﴾

”کہہ دو کہ موت جس سے تم گریز کرتے ہو وہ تمہارے سامنے آ کر رہے گی پھر تم پوشیدہ اور ظاہر کے جاننے والے (اللہ) کی طرف لوٹائے جاؤ گے، پھر جو کچھ تم کرتے رہے، وہ سب تمہیں بتائے گا۔“

یہ ہے قرآن مجید کا مقام و مرتبہ۔ امت کی سربلندی اور اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا دار و مدار تمسک بالقرآن پر ہے۔ جمعہ کا اجتماع بطور خاص قرآنی تعلیم کا ہفتہ وار پروگرام ہے۔ نبی اکرم ﷺ اپنے خطبے میں قرآن پڑھتے تھے اور وعظ و نصیحت فرماتے تھے۔ آج ضرورت اس بات کی ہے کہ جمعہ کے بیانات کو پیغامِ قرآنی کے ابلاغ کا ذریعہ بنایا جائے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں قرآن حکیم کے حقوق ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

[مرتب: محبوب الحق عاجز]

اللہ، اُس کے رسولؐ اور جہاد سے محبت

مسز کلثوم شبیر

اللہ تعالیٰ نے انسانی فطرت میں کئی قسم کے داعیات رکھے ہیں جن میں سے ایک محبت کا جذبہ ہے اور ایک نفرت کا۔ محبت کا جذبہ مثبت ہے جبکہ نفرت کا منفی۔ انسان اس چیز سے محبت کرتا ہے جسے وہ پسند کرتا ہے۔ ایک مومن کی شدید ترین محبت اللہ تعالیٰ سے ہوتی ہے۔ (وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ)

سوال یہ ہے کہ اس محبت کا عملی اظہار کیسے ہوتا ہے؟ اللہ تعالیٰ کی محبت کا عملی مظہر اطاعتِ رسول ﷺ ہے۔ فرمایا:

"کہہ دیجیے (اے محمد ﷺ)! اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میرا اتباع کرو، اللہ تم سے خود محبت کرنے لگے گا۔" (آل عمران:31)

انسان کا معاملہ یہ ہے کہ وہ بالعموم دنیا اور اس کے سازوسامان اور علائق دنیوی کی محبت میں گم ہو کر رہ جاتا ہے۔ جیسا کہ سورہ آل عمران میں فرمایا:

"لوگوں کو اُن کی خواہشوں کی چیزیں یعنی عورتیں اور بیٹے اور سونے اور چاندی کے بڑے بڑے ڈھیر، اور نشان زدہ گھوڑے اور مویشی اور کھیتی بڑی زینت دار معلوم ہوتی ہیں (مگر) یہ سب دنیا کی زندگی کے سامان ہیں، اور اللہ کے پاس بہت اچھا ٹھکانا ہے۔" (آل عمران:14)

عورتوں کی محبت کے بارے میں فرمان نبوی ﷺ ہے۔ "میرے بعد مردوں کے لئے عورتوں سے بڑھ کر ضرر رساں فتنہ کوئی نہیں"۔

بیٹوں کی محبت کو قرآن مجید صرف دُنیا کی زینت قرار دیتا ہے۔ بالعموم اُن کی حد سے بڑھی ہوئی محبت شریعت سے روگردانی کا سبب بن جاتی ہے۔ ہمارے معاشرے میں بیٹوں کو بیٹیوں پر ترجیح دی جاتی ہے یہاں تک کہ جائیداد کی تقسیم کے وقت لڑکیوں کو بالکل نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔

سونا چاندی جسے ہم بہت پسند کرتے ہیں، جمع کر کے رکھنا اور اُسے اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرنا، آخرت میں دردناک عذاب کا باعث ہوگا۔ سورۃ التوبہ میں فرمایا:

"جو لوگ سونا چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور اللہ کی راہ میں ان کو خرچ نہیں کرتے، سو آپؐ ان کو بڑی دردناک سزا کی خبر سُنا دیجیے کہ اس روز ان کو دوزخ کی آگ میں تپایا جائے گا، پھر ان سے ان لوگوں کی پیشانیوں، ان کی کروٹوں اور اُن کی پشتوں کو داغا جائے گا (اور کہا جائے گا) یہ ہے وہ جس کو تم نے اپنے واسطے جمع کر کے رکھا۔ سو اب اپنے جمع کرنے کا مزہ چکھو"۔ (آیت:34،35)

یہاں ذہن میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا کسی چیز سے محبت کی ہی نہ جائے۔ ایسا نہیں ہے، بلکہ اصل بات یہ ہے کہ یہ محبتیں اللہ اور رسولؐ اور اُس کی راہ میں جہاد سے محبت کے تابع رہیں۔ چنانچہ اِسی سورۃ التوبہ کی آیت 24 میں فرمایا گیا۔

"آپ کہہ دیجیے، اگر تمہارے باپ اور بیٹے اور بھائی اور عورتیں اور برادری اور مال جو تم نے کمائے ہیں اور سوداگری جس کے بند ہونے کا تمہیں ڈر ہے اور حویلیاں جن کو تم پسند کرتے ہو، تم کو زیادہ پیاری ہیں اللہ اور اس کے رسولؐ سے اور اس کی راہ میں جہاد سے تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم بھیجے اور اللہ نافرمانوں کو ہدایت نہیں دیتا"۔

جو لوگ مشرکین کی موالات (دوستی) یا دنیوی خواہشات میں پھنس کر احکامِ الٰہیہ کی تعمیل نہ کریں، اُن کو حقیقی کامیابی کبھی نہیں مل سکتی۔ حدیث میں ہے کہ تم جب بیلوں کی دُم پکڑ کر کھیتی باڑی پر راضی ہو جاؤ گے اور جہاد چھوڑ بیٹھو گے تو اللہ تم پر ایسی ذلت مسلط کر دے گا جس سے کبھی نہ نکل سکو گے یہاں تک کہ اپنے دین (جہاد فی سبیل اللہ) کی طرف واپس آؤ۔ آج اس ذلت کا مشاہدہ ہم ایوان اقتدار سے لے کر عدلیہ، بم دھماکوں اور آٹے و بجلی کے بحران تک میں کر رہے ہیں۔

قرآن مجید کی مذکورہ بالا آیت میں ہمیں دنیا کے سازوسامان اور علائق دنیوی سے محبت کرنے سے منع نہیں کیا گیا بلکہ اِس کے ذریعے ایک ترازو ہمارے ہاتھ میں تھما دیا گیا ہے کہ خود دیکھ لو، کون سا پلڑا بھاری ہے۔ کیا اول الذکر آٹھ محبتیں، آخر الذکر تین محبتوں کے تابع ہیں؟ جو مطلوب ہے یا معاملہ اُلٹ ہے۔ انسان اپنا محاسب خود ہے۔ قابل غور امر یہ ہے کہ اگر ان آٹھ چیزوں (باپ، بیٹے، بھائی، عورتیں، برادری، مال، سوداگری اور حویلیوں) کی محبت، ان تین محبتوں (اللہ، اس کے رسولؐ اور جہاد) کے بالمقابل آجائیں تو ہم کس کا انتخاب کرتے ہیں، ترجیح کس کو دیتے ہیں؟ یہ ٹکراؤ ہماری روزمرہ زندگی میں قدم قدم پر آتا ہے اور اکثر و بیشتر ہمارا جھکاؤ دُنیوی رشتوں اور مال و متاع کی طرف ہی ہوتا ہے۔ اقبال نے بہت خوب کہا ہے۔

یہ مال و دولتِ دُنیا یہ رشتہ و پیوند
بتانِ وہم و گماں لا الہ اِلا اللہ

ایک طرف ان بُتانِ وہم و گماں کی کشش و محبت ہوتی ہے تو دوسری طرف حبِ الٰہی و حبِ رسولؐ اور جہاد۔ گویا۔

ایماں مجھے روکے ہے تو کھینچے ہے مجھے کفر
کعبہ میرے آگے ہے کلیسا میرے پیچھے

ان محبتوں میں توازن صرف اور صرف تدبر و تذکر قرآن اور سنتِ رسولؐ پر عمل سے ہی ممکن ہے۔ اور انہی دونوں سنگھاسنوں کے میل پر شیطان گھات لگائے بیٹھا ہے، کیونکہ وہ مومن کے ایمان کی دبی ہوئی چنگاری سے بھی خائف رہتا ہے۔

ہر نفس ڈرتا ہوں اس امت کی بیداری سے میں
ہے حقیقت جس کے دیں کی احتسابِ کائنات
مست رکھو ذکر و فکر صبح گاہی میں اسے
پختہ تر کردو مزاج خانقاہی میں اِسے

شیطان انسان کا دُشمن ہے۔ قرآن سے دُور رکھنے کے لئے شیطان نے مسلم نوجوان پر کاری وار کیے ہیں۔ انہیں عمل سے دُور کر کے بخشش کے آسان راستے بھا دیے ہیں۔ مثلاً وہ آج نوجوان کو مذموم علوم کی طرف متوجہ کرتا ہے (مثلاً یہ ہفتہ کیسا رہے گا اور ہاتھ کی لکیریں کیا کہتی ہیں) محبت کے نام پر یہودیوں، عیسائیوں کی رسومات کی پیروی کا راستہ دکھاتا ہے، جس کی مثالیں برتھ ڈے، ویلنٹائن ڈے، فادرڈے، مدرڈے ہیں۔ افسوس کہ آج ہم نے قرآن مجید کو محض قسمیں کھانے، سنہرے غلافوں میں لپیٹ کر جہیز میں دینے، اور برکت و وظائف کے طور پر قرآن خوانی تک محدود کر دیا ہے۔ اس سے ہدایت لینا چھوڑ دیا ہے۔

آج کا نوجوان اپنے دین کی اصل حقیقت کہاں سے سمجھے اور کیونکر سمجھے؟ جبکہ پیدا ہوتے ہی ماں کی شفیق گود میں ایمان مفصل و مجمل، آیت الکرسی اور شش کلمات کی لوری سننے کی بجائے وہ آیا کی تربیت اور موسیقی کے سازوں کی لوری

ذرا سوچیے، کہیں ہمارے دلوں پر تالے تو نہیں پڑ چکے؟

محمد سمیع

کے حوالے کر دیا جاتا ہے۔ ننھے سے ذہن کو کچھ اس طور سے مغربی تعلیم کے سپرد کیا جاتا ہے کہ ڈگریوں پر ڈاکٹریٹ (Ph.D) کرنے والے کو ساری عمر قرآن و سنت اور دینِ اسلام کی بنیادی معلومات کو سمجھنے کی بھی فرصت نہیں ملتی۔

ڈھونڈنے والا ستاروں کی گزر گاہوں کا
اپنے افکار کی دُنیا میں سفر کر نہ سکا

اسی تعلیم اور مغربی کلچر کا کیا دھرا ہے کہ آج کسی کو دولت کی ہوس ہے تو کسی کو اقتدار کا نشہ، کوئی حق تلفی کا رونا رو رہا ہے تو کسی کو انتقام کی آگ نے پاگل کر رکھا ہے، غرض یہ دجالی اور پرفتن دور قیامت صغریٰ کا نقشہ پیش کر رہا ہے۔

آخر اس کی وجہ کیا ہے؟ یہ ہمارے لیے لمحہ فکریہ ہے کہ آج ہم اتنے ذلیل کیوں ہیں۔

خوار از مہجوریِ قرآں شُدی
شکوہ سنج گردشِ دوراں شُدی

اللہ تعالیٰ اسی قرآن کے ذریعے بہت سی اقوام کو ترفع بخشتا ہے اور بہتوں کو اسی کے ذریعے ذلیل و خوار کرتا ہے۔ ہم جو بے روزگاری، بدامنی، بے سکونی کا رونا رو رہے ہیں، اس کا اصل سبب "ترکِ قرآن" ہے۔ آج شدت سے احتیاج ہے ایسے مخلص لوگوں کی جو مسلمانوں کا رشتہ قرآن سے جوڑیں اور انہیں یہ سبق پڑھائیں کہ

جذبہ قرآں ضیغمی روباہی است
فقر قرآن اصل شہنشاہی است

اب بھی وقت ہے کہ ہم سنبھل جائیں اور سورۃ الزمر میں اُمید کی اِس کرن کا سہارا لیں جس میں ربِ ذوالجلال ہم گناہ گاروں کو بخشش کی امید دلاتا ہے:

"(اے پیغمبر میری طرف سے لوگوں سے) کہہ دو کہ اے میرے بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے، اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہونا۔ اللہ تو سب گناہوں کو بخش دیتا ہے (اور) وہ تو بخشنے والا مہربان ہے۔" (آیت:53)

اور تجدید عہد کے طور پر اس "العروۃ الوثقیٰ" کو تھام لیں جو کبھی نہ ٹوٹنے والی ہے یعنی قرآن حکیم۔ یہی وہ مضبوط رسی ہے جو شیطان کے بنے ہوئے جال کی تمام رسیوں کو عصائے موسیٰ کی طرح نگل جائے گی۔ اور یہی وہ مضبوط راستہ ہے جو انسان کو انسان سے اور انسان کو اپنے خالق سے ملانے کا واحد ذریعہ ہے۔ یہی وہ راستہ ہے جس کے ذریعے ہم تمام مصائب سے نجات پا سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ اگر تم ایسا کرو گے تو وہ آسمان کے دہانے کھول دے گا اور زمین بھی سونا اُگلے گی۔

آیئے، ہم یہ پختہ عہد کریں کہ ہم سچے جذبے کے ساتھ کلامِ الٰہی کو پڑھیں گے، اُسے سمجھیں گے، اس پر عمل کریں گے اور اس کے نفاذ کے لئے کوشش کریں گے۔ (ان شاء اللہ)

قرآن کریم کو سمجھنے کے دو درجات بیان کئے گئے ہیں۔ پہلے کو تذکر اور دوسرے کو تدبر کہتے ہیں۔ اگر آپ کو عربی صرف و نحو کے قواعد آتے ہوں اور عربی زبان کی کچھ شدھ بدھ ہو تو آپ قرآن کی کسی عبارت کی تلاوت کر کے اس سے سبق اخذ کر سکتے ہیں، اس کو تذکر کہتے ہیں۔ لیکن تدبر کے لیے آپ پوری زندگی وقف کر دیں تو بھی کم ہے۔ عربی زبان پر عبور، دورِ جاہلیت کی عربی کا شعور وغیرہ جب تک آپ میں نہ پایا جائے' آپ قرآن میں غور و فکر کر کے اس سے حکمت و دانائی اور اسرار و رموز حاصل نہیں کر سکتے۔ قرآن بار بار اپنے تلاوت کرنے والوں سے سوال کرتا ہے کیا تم قرآن سے نصیحت حاصل نہیں کر تے؟ کیا تم قرآن میں تدبر نہیں کرتے یا تمھارے دلوں پر تالے پڑ چکے ہیں۔ انسان اگر قرآن میں غوطہ زن ہو تو اس کی زندگی کی سوچ میں تبدیلی واقع ہوتی ہے اور اس کی کایا پلٹ جاتی ہے۔ سورۂ آل عمران میں ایک مقام پر آیا ہے کہ "دین تو اللہ کے نزدیک صرف اسلام ہے" اور دوسرے مقام پر فرمایا گیا ہے کہ "جو اسلام کے علاوہ کوئی دین لے کر آئے گا وہ قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ آخرت میں خسارہ پانے والوں میں ہو گا"۔ بالعموم جب ہم اسلام کی بات کرتے ہیں تو ہمارے ذہنوں میں اسلام کا بطور مذہب تصور ہوتا ہے لیکن قرآن کریم کی مذکورہ دو آیات سے ہمیں معلوم ہوا کہ اسلام دین ہے مذہب نہیں۔ اب ہمیں دین اور مذہب کے فرق کو سمجھنا پڑے گا۔ دین بدلہ کو کہتے ہیں۔ ہم نے اللہ تعالیٰ کو اپنا معبود تسلیم کیا ہے، لہٰذا ہم پر فرض ہے کہ اس کے احکامات پر عمل پیرا ہوں۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کے احکامات پر عمل کرتا ہے تو اسے اس کے بدلے میں جنت عطا ہو گی اور جو اللہ تعالیٰ کے احکامات پر عمل نہیں کرے گا تو اسے جہنم میں ڈالا جائے گا۔ تو یہ بات بآسانی سمجھ میں آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام ہی کو دین کہا جائے گا۔ یعنی اللہ کے احکامات کی روشنی میں زندگی گزارنا ضروری ہے۔ اللہ کے احکامات کو یا نظامِ زندگی ہوئے۔

ہر فرد کی زندگی کے دو رُخ ہوتے ہیں۔ پہلی اس کی ذاتی زندگی اور دوسری اس کی اجتماعی زندگی۔ اپنی ذاتی زندگی میں ہر فرد کے کچھ عقائد ہوتے ہیں۔ وہ کچھ عبادات پر عمل پیرا ہوتا ہے اور کچھ رسومات کا پابند ہوتا ہے۔ ایک انسان خدا کا منکر بھی ہو سکتا ہے اور اس کا مومن بھی۔ وہ ایک خدا کو ماننے والا بھی ہو سکتا ہے اور ایک سے زیادہ خداؤں کو ماننے والا بھی۔ یہ اس کی ذاتی زندگی کا عقائد کا گوشہ ہے۔ وہ نماز کے لیے مسجد میں بھی جانے والا ہو سکتا ہے، گرجا گھر اور مندر میں بھی۔ یہ اس کی ذاتی زندگی کے عبادات کا گوشہ ہے۔ اسی طرح وہ پیدائش کے موقع پر مختلف رسومات کا پابند ہو سکتا ہے۔ اس کے نکاح و طلاق کے رسوم مختلف ہو سکتے ہیں۔ مرنے کے بعد اس کی تدفین بھی کی جا سکتی ہے، اسے جلایا بھی جا سکتا ہے اور چیل کووں کی نذر بھی کیا جا سکتا ہے۔ یہ اس کی ذاتی زندگی کا گوشۂ رسومات ہوا۔ کسی فرد کی ذاتی زندگی کے ان تین گوشوں کے مجموعے یعنی عقائد، عبادات اور رسومات کو اس کا مذہب کہا جاتا ہے۔ اب آپ بتائیں کیا عوام الناس میں اسلام کا یہی تصور موجود نہیں۔ آپ کسی کو دین کی دعوت دیں تو بالعموم یہی کہے گا کہ الحمد اللہ میں مسلمان ہوں' عبادات یعنی روزہ، نماز پر عمل کرنے والا ہوں' رسومات کی پابندی کرتا ہوں اور کیا چاہیے، لیکن قرآن کی رو سے اسلام دین ہے مذہب نہیں۔ وہ نہ صرف ہماری ذاتی زندگیوں کو اسلامی تعلیمات کا پابند بناتا ہے بلکہ اجتماعی زندگیوں کو بھی اسلام کے تابع رکھنا چاہتا ہے۔

آیئے، اب دیکھیں کہ ہماری اجتماعی زندگی کو کتنے گوشوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ الحمد للہ، ہم سب مسلمان ہیں، اللہ تعالیٰ کو اپنا رب تسلیم کرتے ہیں۔ دنیا کا حاکم مطلق بھی اللہ تعالیٰ ہے۔ ہم اس کے احکامات کو بحیثیت خلیفہ نافذ کرنے کے پابند ہیں۔ البتہ جن معاملات میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے واضح احکامات نہیں بتائے

وہاں ہم باہمی مشاورت سے فیصلے کرسکتے ہیں۔ اجتہاد سے بھی کام لے سکتے ہیں۔ یہ اجتماعی زندگی کا سیاسی گوشہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو نعمتوں سے نواز رکھا ہے۔ ان نعمتوں کا مالک خود اللہ تعالیٰ ہے۔ ہم ان نعمتوں کے مالک نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ حلال ذرائع سے کماؤ اور حلال کاموں پر خرچ کرو۔ یہ اجتماعی زندگی کا معاشی گوشہ ہے۔ اسی طرح معاشرتی گوشہ ہے جس میں مردوں اور عورتوں کو زندگی برتنے کے مختلف احکام دیئے ہیں۔ عورت کو ستر وحجاب کا پابند کیا گیا ہے۔ مردوں پر روزی کے حصول کی ذمہ داری عائد کی گئی ہے وغیرہ وغیرہ۔ پس ثابت ہوا کہ اسلام تب دین ہوتا ہے جب اس کے احکامات ہماری ذاتی زندگیوں یعنی عقائد، عبادات اور رسومات اور اجتماعی زندگی کے تین گوشوں یعنی سیاست، معیشت اور معاشرت پر لاگو ہوں۔

میں نے اتنی لمبی چوڑی تمہید اس لئے باندھی ہے کہ جب ہم کبھی اپنی ذاتی اور اجتماعی زندگیوں کے ان چھ گوشوں سے متعلق احکامات سے انحراف کرتے ہیں تو اس کے نتائج بد کا بھی سامنا ہمیں کرنا پڑتا ہے۔ مثلاً ہماری معاشی زندگی کے لیے اللہ تعالیٰ نے کچھ احکامات دیئے ہیں۔ اللہ کی راہ میں دن اور رات اور خفیہ اور علانیہ خرچ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ جو شخص ایسا کرتا ہے اسے [redacted] اعمال پر کوئی رنج لاحق ہوتا ہے اور [redacted] بارے میں کوئی خوف ہوتا ہے۔ اس کے برعکس جو سود کھاتا ہے، وہ قیامت کے روز اس طرح کھڑا ہوگا جس طرح وہ شخص کھڑا ہوتا ہے جسے شیطان نے چھو کر باؤلا کردیا ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سود کو نہ صرف حرام قرار دیا ہے بلکہ سودی لین دین میں ملوث افراد کے خلاف اپنے اور اپنے رسول ﷺ کی طرف سے اعلان جنگ کیا ہے۔ ایام جاہلیت میں لوگ سود اور کاروبار کو ایک ہی جیسا کہتے تھے۔ آج کچھ مسلمان بھی سود کو جائز قرار دینے کے لئے باانداز دیگر وہی کچھ کہتے ہیں۔ حالانکہ حضرت عمر فاروقؓ کا واضح فرمان ہے کہ سود بھی چھوڑ دو اور جس شے پر سود کا شبہ ہو اسے بھی چھوڑ دو۔

سودخوروں کے دل اتنے سخت ہوتے ہیں جن کا مشاہدہ ہم نے ماضی میں بھی کیا ہے۔ جب یہ خبر 27 جولائی کے اخبارات میں چھپی تھی جس کے مطابق ''مصطفیٰ آباد کے نواحی گاؤں میں سودخور عورت نے مقروض کا جنازہ رکوا کر متوفی کے منہ پر تماچوں کی بوچھاڑ کردی اور کفن کھینچ کر مردے سے تقاضا کیا کہ میرے ایک ہزار روپے ادا کرکے قبر میں اترو۔ واقعات کے مطابق نواحی گاؤں کھارا کے متوفی جہانگیر عرف جاگی کے بھائی عارف نے دو سال قبل گاؤں کی ایک لڑکی کو اغوا کیا جس کے مقدمے میں متوفی کو بھی ملوث کردیا گیا۔ متوفی گرفتاری کے خوف سے گاؤں چھوڑ کر لاہور جا کر محنت مزدوری کرنے لگا۔ وقوعہ کے روز جہانگیر بیمار ہوا اور دوا لانے کے لئے ڈاکٹر کے پاس گیا اور وہیں فوت ہوگیا۔ بیوی اس کی لاش کو گاؤں کھارا لائی اور متوفی کے عزیز لمبا کے گھر لاش کو نہلا کر کفن پہنایا اور دفن کرنے کے لیے قبرستان کی طرف لے جارہے تھے کہ راستے میں سودخور عورت نے جنازے کو رکوا لیا۔ لوگوں نے سمجھا کہ عورت متوفی کا منہ دیکھنا چاہتی ہے۔ جنازہ زمین پر رکھ دیا۔ ملزمہ نے کفن کی پٹی کھول کر متوفی کے منہ پر تماچے مارنے شروع کردیئے اور کفن کھینچ کر تقاضا کیا کہ قبر میں اترنے سے پہلے میرے ایک ہزار روپے ادا کرو۔ جنازے میں شریک افراد نے سودخور عورت پر لعن طعن کی لیکن وہ اپنے مطالبے پر قائم رہی۔ بعد ازاں لوگوں کی منت سماجت کرنے پر جنازے کو قبرستان لے جانے دیا۔''

اور اب چند دنوں قبل کی ایک اور خبر ملاحظہ فرمائیں۔ ''متبادل بینکنگ پر مبنی پرائیوٹ سودخوری کا کاروبار وبائی صورت اختیار کرگیا۔ سینکڑوں گنا شرح سود کی وصولی کے باعث ہزاروں خاندان طلائی زیورات واملاک سے محروم۔ مقامی شہری (خبر نیو سعید آباد کی ہے) محمد علی کو سودخور بھائیوں نے پندرہ ہزار روپے کے عوض گیارہ ماہ میں 80 ہزار روپے کی ادائیگی کا تقاضا کیا جسے ناجائز قرار دینے پر سودخوروں نے محمد علی کو اغوا کرکے بند کمرے میں قید کردیا اور گن پوائنٹ پر زمینوں کے کاغذات لینے کے ساتھ اسٹام پیپر پر دستخط لئے جس کی شکایت پر مشتعل سودخوروں نے محمد علی کے گھر پر حملہ کرکے اس پر تشدد کے ساتھ خواتین کو مغلظات بکیں۔ مذکورہ دہشت گردی کے خلاف ایس پی او تعلقہ نیو سعید آباد اور ایس ایچ او نیو سعید آباد کو تحریری درخواستیں دی گئیں تاہم پولیس درخواستوں کو نظرانداز کررہی ہے۔ سینکڑوں گنا زیادہ شرح سود کی وصولی نے دینی مدارس، اسکول کے اساتذہ، چھوٹے سرکاری ملازمین اور ضرورت مند مجبور شہریوں کو تباہ حال کرکے بے گھر کردیا ہے۔''

مضمون کے آخر میں قارئین کو قرآن حکیم کی آیت کی صورت میں دعوت فکر دے رہا ہوں کہ ''کیا تم قرآن پر تدبر (غوروفکر) نہیں کرتے یا تمہارے دلوں پر تالے پڑ چکے ہیں۔''

عورتوں کا مختصر لباس وسیع تباہی پھیلانے والا ہتھیار ہے

روسی ماہر

لوگوں میں امراض کی بڑی وجہ خواتین کا مختصر اور بھڑکیلا لباس ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یورپی ممالک میں 30 سال سے زائد عمر کے مردوں کی بڑی تعداد مثانے کے سرطان اور دیگر امراض میں مبتلا ہے جبکہ مشرقِ وسطیٰ کے مسلمان ممالک میں جہاں خواتین پورا اور ڈھیلا ڈھالا لباس پہنتی ہے، یہ امراض نہ ہونے کے برابر ہیں۔ یہ بات روسی سائنسدان ڈاکٹر لیونڈ کیٹاف سانک نے اپنی تحقیقی رپورٹ میں بتائی۔ ڈاکٹر لیونڈ کیٹاف نے خواتین میں مختصر لباس پہننے کے رجحان کو تنقید کا نشانہ بنایا اور کہا کہ خواتین کو یاد رکھنا چاہیے کہ اپنے طرزِ عمل سے وہ مردوں کے لیے قبریں کھود رہی ہیں۔ برہنہ ہوکر رقص کرنے والی خواتین ہی دراصل معاشرے میں وسیع تباہی پھیلانے والا ہتھیار ہیں۔ مسلم معاشروں میں خواتین پورا اور ڈھیلا ڈھالا لباس پہنتی ہیں اور انہیں اس لباس میں دیکھ کر مردوں کے لیے احترام کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ ڈاکٹر لیونڈ کیٹاف جو روس کی اکیڈمی آف سائنسز کے ریسرچ انسٹیٹیوٹ آف کلچرولوجی میں پروفیسر ہیں، کا کہنا ہے کہ خواتین میں مختصر لباس پہننے کے رجحان کو ختم کرنا ایک طویل اور مشکل کام ہے۔

خادم و داعیٔ قرآن

جناب ڈاکٹر اسرار احمد کے متنازعہ بیان کی اصل حقیقت

کیا ڈاکٹر اسرار احمد نے (معاذ اللہ) حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کی شان میں گستاخی کی ہے؟ آیئے! یہ معلوم کرتے ہیں کہ ڈاکٹر اسرار احمد نے اپنے بیان میں اصلاً کیا کہا تھا' جسے "متنازعہ" اور توہین آمیز قرار دیا جارہا ہے؟

اس بیان کا پس منظر یہ ہے کہ 1997 میں محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے اپنے سلسلہ وار درسِ قرآن کے دوران سورۃ النساء کی آیت نمبر 43 کا شانِ نزول بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ دورِ جاہلیت میں عرب معاشرے میں شراب اس قدر عام تھی کہ گویا یہ عربوں کی گھٹی میں پڑی تھی' اسی لیے اللہ تعالی نے شراب کی حرمت میں تدریجی انداز اختیار فرمایا۔ سب سے پہلے سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر 219 میں فرمایا: (ترجمہ) "وہ آپ سے شراب اور جوئے کے بارے میں پوچھتے ہیں' آپ کہہ دیں کہ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لیے فائدے بھی ہیں (لیکن) ان کا گناہ ان کے فائدے سے زیادہ ہے۔" اس کے کچھ عرصہ بعد سورۃ النساء کی آیت نمبر 43 میں عبوری طور پر نماز کے اوقات میں شراب کی ممانعت کا حکم آیا: (ترجمہ) "اے اہل ایمان! نماز کے قریب مت جاو جب تم نشے کی حالت میں ہو یہاں تک کہ تم جان لو جو تم کہہ رہے ہو۔" اور آخری اور حتمی حرمت سورۃ المائدہ کی آیات نمبر 91-90 میں آئی: "اے ایمان والو! بے شک شراب' جوا اور بت اور پانسے ناپاک ہیں شیطانی کام ہیں سو ان سے بچو تاکہ تم فلاح پاؤ۔ شیطان چاہتا ہے کہ وہ تمہارے درمیان شراب اور جوئے سے دشمنی ڈالے اور تمھیں روکے اللہ کی یاد سے اور نماز سے' پس کیا تم باز آؤ گے؟"

درمیانی اور عبوری مدت کے حوالے سے جب کہ حتمی حرمت نازل نہیں ہوئی تھی ڈاکٹر اسرار احمد نے جامع ترمذی کی درج ذیل حدیث کا حوالہ دیا، جسے اکثر مفسرین نے اس آیت (النساء:43) کے شانِ نزول کے طور پر بیان کیا ہے:

(حدیث): حدثنا عبد بن حميد، قال: حدثنا عبدالرحمن بن سعد، عن أبي جعفر الرازي، عن عطاء بن السائب، عن أبي عبدالرحمن السلمي، عن علي بن أبي طالب، قال: صنع لنا عبدالرحمن بن عوف طعاما فدعانا وسقانا من الخمر، فأخذت الخمر منا، وحضرت الصلاة فقدموني فقرأت: قل يا ايها الكافرون لا أعبد ما تعبدون ونحن نعبد ما تعبدون قال: فأنزل الله تعالى: ﴿يايها الذين امنوا لا تقربو االصلوة وانتم سكرى حتى تعلموا ما تقولون﴾ 3026 (م)۔(صحيح) هذا حديث حسن صحيح غريب)

جیسا کہ آپ کے علم میں ہے یہ حدیث اہلسنت کی اکثر تفاسیر میں اس آیت کے شانِ نزول کے طور پر بیان ہوئی ہے۔ اشارۃً اُن تفاسیر کا حوالہ ذیل میں درج ہے:

1۔ تفسیر طبری — امام ابن جریر طبری (متوفی 310ھ)
2۔ تفسیر قرطبی — امام قرطبی (متوفی 671ھ)
3۔ تفسیر ابن کثیر — امام ابنِ کثیر (متوفی 774ھ)
4۔ زاد المسیر — امام ابن جوزی (متوفی 597ھ)
5۔ الدر المنثور — امام سیوطی (متوفی 911ھ)
6۔ تفسیر الثعالبی — امام ثعالبی (875ھ)
7۔ تفسیر مقاتل — امام مقاتل بن حیان (متوفی 150ھ)
8۔ تفسیر ابن عطیہ — امام ابن عطیہ (متوفی 546ھ)
9۔ تفسیر ابن عاشور — امام ابن عاشور (متوفی 1393ھ)
10۔ روح المعانی — علامہ آلوسی (متوفی 1270ھ)
11۔ تفسیر خازن — امام خازن (متوفی 725ھ)
12۔ بحر العلوم — علامہ سمرقندی (متوفی 375ھ)
13۔ نظم الدرر — امام بقاعی (متوفی 885ھ)
14۔ الوسیط — علامہ سید طنطاوی (متوفی 1928ء)
15۔ بیان القرآن — مولانا اشرف علی تھانوی
16۔ تفسیر مظہری — قاضی ثناء اللہ پانی پتی
17۔ معارف القرآن — مولانا مفتی محمد شفیع
18۔ تیسیر القرآن — مولانا عبدالرحمٰن کیلانی
19۔ انوار البیان — مولانا عاشق الٰہی میرٹھی
20۔ تبیان القرآن — علامہ غلام رسول سعیدی

[نوٹ: ان تمام تفاسیر میں حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کا نام امام کے طور پر نقل ہوا ہے (جبکہ باقی کچھ تفاسیر میں امام کا نام مذکور نہیں اور بعض روایات میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کا نام بطور امام آیا ہے)۔ یہ روایت جامع ترمذی کے علاوہ سنن ابی داوود میں بھی نقل ہوئی ہے۔ علامہ ناصر الدین البانیؒ نے جامع الترمذی کی روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔ (صحیح الترمذی 3026)۔ امام ترمذیؒ نے بھی اس روایت کو نقل کرنے کے بعد حسن صحیح کہا ہے۔ (سنن الترمذی کتاب التفسیر باب ومن سورۃ النساء)۔ سنن ابی داود کی روایت کو علامہ البانیؒ نے صحیح قرار دیا ہے۔ (صحیح ابوداود 3671)۔ امام ابوداودؒ نے اس روایت کے بارے میں سکوت اختیار کیا ہے اور ان کا یہ اصول ہے کہ جس روایت کے بارے میں وہ سکوت اختیار کریں وہ روایت اُن کے نزدیک "صالح" ہوتی ہے۔ (سنن ابوداود کتاب الاشربہ باب تحریم الخمر)]

مذکورہ بالا درس قرآن کی ویڈیو ریکارڈنگ 12 جون 2008ء کو Qtv پر دکھائی گئی۔ اس حدیث کے منظر پر آتے ہی اہل تشیع کے بعض حلقوں کی طرف سے ایک طوفان برپا کر دیا گیا۔ لاتعداد فون موصول ہوئے جن میں ڈاکٹر اسرار احمد کو جان سے مارنے کی دھمکیاں دی گئیں' ان کے خلاف غلیظ زبان استعمال کی گئی' انھیں شاتم اہلِ بیت قرار دیا گیا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ صحابہ کرامؓ اور ازواجِ مطہراتؓ کے بارے میں وہ کچھ کہا گیا کہ اگر منظر عام پر لے آیا جائے تو ایک طوفان برپا ہو جائے۔ بعد ازاں شہر میں جلوس اور ریلیاں بھی نکالی گئیں جن میں دیگر مغلظات کے علاوہ ڈاکٹر اسرار احمد کو سزا دلوانے کا مطالبہ کیا گیا۔

قارئین! اس وضاحت کے بعد آپ خود ہی فیصلہ کیجئے.....

کیا یہ الزامات درست ہیں؟ یا در پردہ کچھ اور مذموم مقاصد پورے کیے جارہے ہیں؟

یورپ میں عثمانی سلاطین کا اسلامی کردار

سید قاسم محمود

بوسنیا میں اسلام کی آمد

بوسنیا کے ایک فاضل محقق ڈاکٹر الحاج عمر آفندی رقم طراز ہیں:

''موجودہ یوگوسلاویہ کے علاقوں میں اسلام کی اشاعت چودھویں صدی کے نصف آخر میں اُن مسلمان تاجروں اور مُسافروں کے ذریعے ہوئی جو ہنگری اور اُس کے اردگرد کے علاقوں میں آئے، لیکن یہ نیک سرشت لوگ جلد ہی اِن علاقوں سے چلے گئے، کیونکہ ہنگری کے حکمرانوں نے ان پر نکل جانے کے لیے سخت جبر وتشدد کیا۔ یہ حکمران کیتھولک تھے اور پاپائے روم کے ماتحت تھے۔''

عثمانی سلاطین سرزمین بوسنیا میں پہلی مرتبہ 1353ء میں قدم زن ہوئے۔ اس کے بعد اس کے نواح کی تمام عیسائی طاقتیں متحد ہو کر عثمانی لشکر کے خلاف صف آراء ہوئیں۔ چنانچہ 1365ء میں ادرنہ کے قریب سخت معرکہ برپا ہوا۔ عثمانی لشکر نے بڑی جرأت کے ساتھ عیسائیوں کی متحدہ طاقت کو شکستِ فاش دے دی۔ اُسی سال سلطان مراد نے مقدونیہ کو فتح کر لیا۔ چنانچہ 1371ء میں بازنطینی سلطنت اور سرب اور بلغار دوبارہ یک جان ہو کر اُٹھے اور عثمانیوں کی پیش قدمی روکنے کی کوشش کی، مگر انہیں پھر شرمناک شکست سے دوچار ہونا پڑا۔ اس سلسلے کی سب سے مشہور جنگ کوسوو کی ہے۔

کوسوو کی صلیبی جنگ

1389ء میں کوسوو کے مدیان میں اسلامی لشکر اور صلیبی فوج کے مابین یہ فیصلہ کن جنگ برپا ہوئی۔ ایک طرف سلطان مُراد اسلامی لشکر کی قیادت کر رہا تھا۔ دوسری طرف سرب بادشاہ لازا بذاتِ خود کمان کر رہا تھا۔ 27 اگست 1389ء کا دن تھا۔ کوسوو کا میدان خون سے لالہ زار ہو رہا تھا۔ سربوں نے شروع میں بڑا سخت حملہ کیا، جس سے متعدد مجاہد شہید اور زخمی ہو گئے۔ سلطان مُراد ان زخمیوں کی دیکھ بھال کر رہا تھا کہ ایک سرب فوجی نے سلطان پر حملہ کر دیا۔ سلطان شہید ہو گیا۔ پھر یکایک اُس کے بیٹے بایزید نے قیادت ہاتھ میں لے لی اور نئی صف بندی کر کے سربوں پر جوابی کارروائی کی اور انہیں زبردست ہزیمت دی۔ اُن کا بادشاہ مارا گیا۔ پھر عثمانی فاتحین بلقان اور مشرقی یورپ کے اندر آسانی سے آگے بڑھتے گئے اور اس کے بعد سربیا کی تمام سرزمین دولتِ عثمانیہ کا حصہ بن گئی۔ 1452ء میں سربیا کا دارالحکومت بلغراد بھی مسلمانوں کے قدموں کے نیچے آ گیا۔ اب مسلمان بوسنیا کے دروازوں تک پہنچ گئے۔ بوسنیا کی حکومت اُس وقت انتہائی کمزور تھی۔ بایں ہمہ عثمانیوں نے اسے سلطنت میں شامل کرنے کی بجائے باج گزار بنا کر چھوڑ دیا۔ تاہم بعدازاں 1463ء کے موسم بہار میں سلطان محمد فاتح نے بوسنیا کو فتح کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ اُس نے اعلان کیا: لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ۔ زبردستی کسی کو دین میں داخل نہیں کیا جائے گا۔

> سلطان محمد فاتح نے کہا: ''ہاں جی، ہم محض ایک شہر کی خاطر اپنی جانیں خطرات میں نہیں ڈالتے۔ ہم دراصل اللہ کے راستے میں اپنی جانیں پیش کر رہے ہیں، تاکہ جب ہم یوم الحساب کو اللہ کے سامنے حاضر ہوں تو شرمندگی میں نہ ڈوبے ہوئے ہوں

سلطان محمد فاتح نے اپنا ارادہ پورا کر دکھایا۔ بوسنیا دولتِ عثمانیہ میں شامل ہو گیا۔ وہاں کے مقامی باشندے آرتھوڈکس اور کیتھولک دونوں چرچوں کی ستم رانیوں سے نجات پا گئے۔

پروفیسر تھامس آرنلڈ نے لکھا ہے: ''جب سلطان محمد فاتح (فاتح اندلس) نے بوسنیا پر فوج کشی کی تو کیتھولک بادشاہ کی رعایا نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا اور شہر سراجیوو کے شاہی شہر کے قلعے کی کنجیاں وہاں کے حاکم نے ترکوں کے حوالے کر دیں۔ دیگر قلعوں اور شہروں نے بھی اس کی پیروی کی۔ چنانچہ ایک ہفتے کے اندر اندر ستر شہر سلطان کے قبضے میں آ گئے اور سلطان محمد فاتح نے بوسنیا کو بھی اپنے مفتوحہ ممالک میں شامل کر لیا'۔

بوسنیا کے باشندے جو پہلے ہی دینِ فطرت سے قریب تھے، مسلمانوں کے اخلاقِ کریمانہ، رواداری اور عدل گستری دیکھ کر اسلام سے بڑے متاثر ہوئے اور جوق درجوق اسلام کے دامن میں آنے لگے۔ ایک صدی کے اندر اندر بوسنیا و ہرزیگووینا عثمانی سلطنت کا مستحکم قلعہ بن گیا۔ بلکہ بوسنیا کے لاتعداد افراد عثمانی سلطنت کے اہم مناصب پر فائز ہوئے۔ اُن کے پانچ سے زائد افراد سلطنتِ عثمانیہ کے صدرِ اعظم مقرر ہوئے۔ سلطان کے بعد ریاست کا یہ سب سے بڑا منصب سمجھا جاتا تھا۔

بوسنیا کے اندر اسلامی تہذیب و تمدن کا سورج پوری توانائی سے اُبھرا۔ بڑے بڑے علماء وفقہا اور ادباء و شعراء اُٹھے۔ علمی درس گاہیں قائم ہوئیں اور سب سے بڑھ کر، یہ کہ یہ علاقے جو مدتوں سے عیسائی حکمرانوں کی چیرہ دستیوں، انسانوں کے استحصال اور معاشرتی پسماندگی میں پس رہے تھے، اسلام کے نظامِ عدل اور علم دوستی اور انسانیت نوازی کی بہار سے لہلہا اُٹھے۔

عثمانی سلطنت اپنے مشرقی علاقوں کی حفاظت میں اس قدر منہمک ہوئی کہ یورپی مقبوضات کی طرف اس کی توجہ کم ہو گئی۔ آہستہ آہستہ اس میں پسپائی شروع ہو گئی۔ سترھویں صدی کے اوائل میں ہنگری والوں نے کروشیا پر قبضہ کر لیا۔ 1697ء میں جبل اسود (مونٹ نیگرو) نے بغاوت کر دی۔ ہنگری والے مزید آگے بڑھے اور 1718ء میں انہوں نے بلغراد کو زیرنگیں کر لیا، مگر عثمانیوں نے 1737ء میں بلغراد کو واگزار کرا لیا۔ 1830ء میں پورا سربیا عثمانیوں کی گرفت سے نکل گیا۔ 1878ء کا سال آیا تو عثمانی حکمرانوں نے برلن کانگرس میں بوسنیا و ہرزیگووینا سے بھی دست برداری لکھ دی۔ گویا عثمانی حکومت کروشیا میں 140 سال، سربیا میں 380 سال، بوسنیا و ہرزیگووینا میں 415 سال، مونٹ نیگرو میں 420 سال، کوسوو میں 430 سال اور مقدونیہ میں 547 سال قائم رہی۔

یورپ میں عثمانی سلاطین کی جدوجہد

ہمارا اصل موضوع ''بوسنیا و ہرزیگووینا'' ہے، لیکن وہاں اسلامی تہذیب کا حال جاننے کے لیے پہلے ہمیں پورے یورپ میں، عثمانی سلاطین کے اسلامی کردار کا جائزہ لینا چاہیے۔ مولانا سعید احمد نے اپنی تصنیف ''مسلمانوں کا عروج اور زوال'' میں لکھا ہے: ''عثمان کے بیٹے اورخان نے جب دس سال کے محاصرے کے بعد 1326ء میں بروصہ کو فتح کرلیا، تو وہ فتح کی خوشخبری لے کر عثمان خان کے پاس آیا۔ عثمان اُس وقت بسترِ مرگ پر پڑا تھا۔ باپ نے بیٹے کی صحت و شجاعت کی داد دی اور اُسے اپنا جانشین مقرر کیا اور یہ وصیت کی:

''ہر کام میں خوفِ خدا اور مرضیِ مولا کا لحاظ رکھنا۔ لوگوں پر رحم کرنا، ادائے حقوق کے معاملے میں زور آور اور کمزور و ناتواں دونوں کو ایک نگاہ سے دیکھنا، کتاب و سنت کو اپنا دستور العمل بنائے رکھنا، اسلام کی تبلیغ و اشاعت میں جدوجہد کرنا، احکامِ شریعت سے کبھی سرتابی نہ کرنا۔''

پھر عثمان خان نے اپنے تمام بیٹوں اور رشتہ داروں کو مخاطب ہوکر کہا:

''تمام بیٹوں اور عزیزوں کو میری یہ نصیحت ہے کہ وہ اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے جہاد کو کبھی ترک نہ کریں، اسلام کی اشاعت پر کاربند رہیں۔ محمد ﷺ کے جھنڈے کو سربلند رکھیں۔ اطرافِ عالم میں توحید کو فروغ دیں۔ میں ان سب کو کہتا ہوں کہ میں خدائے بزرگ و برتر سے دُعا کرتا ہوں کہ تم میں سے ہر وہ شخص محمد ﷺ کی شفاعت سے محروم ہو جائے جو اسلام کا راستہ چھوڑ دے اور لوگوں پر ظلم کرے اور جہاد سے دست بردار ہو جائے۔''

عثمان خان کی دین پسندی کا یہ حال ہے کہ جب اُس نے یورپ کی طرف رُخ کیا تو بازنطینی سلطنت کے امراء کو اُس نے پیغام بھیجا کہ تین باتوں میں سے کوئی ایک بات قبول کرلیں، اسلام قبول کرلیں یا جزیہ ادا کردیں یا جنگ کے لیے تیار ہو جائیں۔ یہ تینوں باتیں اسلام کے قانونِ جہاد کے مطابق ہیں۔ عثمان خان (بانی سلطنتِ عثمانیہ) وفائے عہد کے بارے میں اسلامی احکام کی شدت سے پابندی کرتا تھا۔ اسماعیل دانشمند نے ''انسائیکلوپیڈیا آف تاریخِ اسلام'' میں یہ واقعہ درج کیا ہے کہ جب قلعہ اولوباد فتح ہوگیا اور قلعے کے امیر نے، جو وہاں بازنطینی سلطنت کی طرف سے وہاں مقرر تھا، ہتھیار ڈال دیئے تو اُس نے عثمان بن ارطغرل پر قلعے میں داخلے کی یہ شرط عائد کی کہ کوئی عثمانی سپاہی بذریعہ پُل قلعہ میں داخل نہ ہو۔ چنانچہ عثمان کشتیوں کے ذریعے قلعے میں داخل ہوا اور اس کے بعد تمام عثمانی حکمران صدیوں تک اِس قلعے میں پُل موجود ہونے کے باوجود کشتیوں کے ذریعے قلعے میں داخل ہوتے رہے۔

عثمان کے بیٹے اورخان نے حکومت ہاتھ میں لی تو اُس نے سب سے پہلے عثمانی سکہ جاری کیا، جس کے ایک طرف کلمہ طیبہ ''لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' نقش کرایا۔ 1328ء میں اُس نے جب نئی فوج تشکیل دی تو وہ سب سے پہلے اپنے دور کے ایک خدا پرست عالم الحاج بکتاش کی خدمت میں حاضر ہوا اور اُن سے درخواست کی کہ وہ اس فوج کی کامیابی اور راست روی کے لیے دُعا کریں۔ چنانچہ بکتاش نے ایک عسکری کے سر پر اپنا ہاتھ رکھا اور دُعا کی کہ پروردگار اِس فوج کو سرخرو کرے۔ اس کی تلواروں کو کارگر بنائے اور اسلام کے راستے میں یہ جو معرکہ آرائی کرے، اُس میں اُسے نصرت بخشے۔ اورخان نے عثمانی جھنڈے کے اوپر چاند اور اُس کے نیچے تلوار کا نشان لگایا، جسے وہ ''ذوالفقار'' کہتا تھا۔ ''ذوالفقار'' حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی تلوار کا نام تھا۔

عثمان خان کے پوتے اور اورخان کے بیٹے سلطان مراد نے یورپ میں قدم رکھا۔ اُس کے مقابلے کے لیے سرویا کے بادشاہ لازار کی سرکردگی میں یورپ کی صلیبی طاقتیں میدان میں آگئیں اور 1389ء میں کوسوو میں مشہور اور فیصلہ کُن جنگ ہوئی، جس نے یورپ کی تاریخ بدل ڈالی۔ سلطان مُراد کے ساتھ مجاہدین کے دستے تھے۔ چنانچہ اُس نے لڑائی چھڑنے سے پہلے رات کو اللہ تعالیٰ کے حضور جو دُعا مانگی، وہ یہ تھی:

''بار الٰہ، آقا و مولا، میری دُعا اور عاجزی قبول فرما، اپنی رحمت سے بارش نازل فرما، جو ہمارے اردگرد اٹھنے والی آندھیوں کے غبار کو ختم کردے۔ ہمیں وہ روشنی عطا فرما دے، جو ہمارے اردگرد کی تاریکیوں کو کافور کردے، تاکہ دشمن کے ٹھکانوں کو پوری طرح دیکھ سکیں اور تیرے دین کی سربلندی کے لیے اُس سے لڑسکیں۔''

''اے اللہ، میرے آقا و مولا، بادشاہی اور قوت صرف تیری ہے۔ تُو اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے، عزت دیتا ہے۔ میں تیرا ایک عاجز اور حقیر بندہ ہوں۔ تُو میری پوشیدہ باتیں بھی جانتا ہے اور کھلی بھی۔ میں تیری عزت و جلال کی قسم کھاتا ہوں کہ میں اس جہاد سے فانی دنیا کا ایندھن اکٹھا نہیں کرنا چاہتا۔ مجھے تو صرف تیری رضا درکار ہے۔ تیرے سوا کسی کی رضا مجھے مطلوب نہیں۔''

''اے (اللہ) میرے مولا، میں تیری شانِ کریمی کا واسطہ دے کر درخواست کرتا ہوں کہ تمام مسلمانوں کی طرف سے میری ذات کی قربانی قبول فرمالے، اور اپنے سیدھے راستے کے سوا کسی اور راستے میں ایک بھی مسلمان کی ہلاکت کا مجھے ذریعہ نہ بنا۔''

''اے اللہ، میرے آقا، اگر میری شہادت میں لشکرِ اسلام کی نجات ہو تو پھر تُو مجھے اپنے راستے میں شہادت سے محروم نہ فرما، تاکہ میں تیرے جوارِ رحمت سے بہرہ ور ہو جاؤں، اور کیا عظیم ہے تیرا جوار۔''

''اے اللہ، میرے مولا و آقا تُو نے مجھے جہاد فی سبیل اللہ کے راستے پر ڈال کر بڑا شرف بخشا ہے اور اب مجھے اپنے راستے میں خلعتِ شہادت سے نواز کر مزید شرف عطا فرما۔''

ترک مؤرخ خواجہ سعد الدین، جو اِس سفر میں سلطان مراد کے ساتھ تھا اور ہر لحظہ سلطان کی صحبت میں رہتا تھا، لکھتا ہے سلطان رات بھر یہ دعائیں دہراتا رہتا۔ صبح لڑائی ہوئی، جس میں اللہ نے اس کے لشکر کو کامیابی عطا فرمائی اور اس کی دُعا قبول فرما کر اِس معرکے میں اسے شہادت سے نوازا۔

ایک اور ترک مؤرخ عاشق پاشازادہ اپنی کتاب ''تاریخ عاشق پاشا'' میں لکھتا ہے: ''سلطان محمد فاتح نے 1442ء میں طرابزون شہر کا محاصرہ کرلیا۔ اس دوران سلطان محمد فاتح کے پاس طرابزون کے حکمران کی بوڑھی ماں آئی اور اُسے کہنے لگی: ''اے میرے بیٹے! تُو اپنی جان اور اپنے لشکر کو طرابزون کی فتح کی خاطر کیوں خطرے میں ڈال رہا ہے، جبکہ تُو طرابزون سے زیادہ بڑے اور خوبصورت سو شہر خود بنا سکتا ہے۔''

سلطان محمد فاتح نے جواب دیا: ''اماں جی، ہم محض ایک شہر کی خاطر اپنی جانیں خطرات میں نہیں ڈالتے۔ ہم دراصل اللہ کے راستے میں اپنی جانیں پیش کررہے ہیں، تاکہ جب ہم یوم الحساب کو اللہ کے سامنے حاضر ہوں تو ہم فخر سے پیش ہوں۔ شرمندگی میں نہ ڈوبے ہوئے ہوں۔ ہمارے ہاتھ میں وہ تلواریں ہوں جن سے ہم اس کے راستے میں لڑتے رہے ہوں۔ اماں جی، یہ تلواریں جو ہم نے ہاتھ میں لے رکھی ہیں، یہ زینت و تفاخر کے لیے نہیں ہیں، بلکہ یہ اس لیے تھام رکھی ہیں کہ ہم ان سے اللہ تعالیٰ کے راستے میں قتال کریں۔ اماں جی، اللہ کے راستے میں ہم جو مشقت اُٹھا رہے ہیں، کیا آپ کا خیال ہے کہ ہم یہ مشقت اُٹھائے بغیر ہی مجاہد کہلوانے کے مستحق ہو جائیں گے۔''

(جاری ہے)

تمہارے شہر کی پولیس بہت ظالم ہے

خواجہ مظہر نواز صدیقی

یہ ہمارے بچپن کی بات ہے کہ جب کہیں ظلم ہوتا۔ کسی کی ناحق جان جاتی تو ہمارے باباجی انتہائی جذباتی ہو کر غصے کے عالم میں کہتے تھے "اے ظالم! تیری آنکھیں سو جائیں گی مگر مظلوم کی آنکھیں جاگ کر تیرے لیے اللہ تعالیٰ سے بددعا کریں گی اور اللہ تعالیٰ کبھی سوتا نہیں ہے۔"

میرا شہر ملتان، وزیراعظم پاکستان جناب سید یوسف رضا گیلانی کا شہر بھی ہے۔ اس شہر ملتان کی پولیس نے اپنے "حسنِ سلوک" سے میٹرک کے ایک طالب علم کو خودکشی پر مجبور کر دیا۔ اس خودکشی کے واقعہ کے بعد سے اب تک میرے سارے وجود پہ عجب سی بے حسی طاری ہے۔ دل خالی خالی سا ہو رہا ہے۔ میں خود کو اندھیرے میں گھرا ہوا محسوس کر رہا ہوں۔ اس گھپ اندھیرے میں کہیں سے کوئی روشنی کی کرن پھوٹتی دکھائی نہیں دیتی۔ چبھتے ہوئے الفاظ اور جلتے ہوئے حروف ذہن میں آتے اور جسم و روح کو جھلسا جاتے ہیں۔ اور پھر بے بسی و بے حسی سارے وجود پر طاری ہوتی ہے اور مسلسل طاری رہتی ہے۔ وہ بند آنکھوں اور سلے ہوئے لبوں سے زور و شور سے پکار کر کہہ رہا ہے۔ بقول شاعر

کوئی مسیحا ادھر بھی دیکھے، کوئی تو چارہ گری کو اترے
افق کا چہرہ لہو میں تر ہے، زمیں جنازہ بنی ہوئی ہے

واقعہ یوں ہے کہ چند ماہ پہلے بستی کالرو کے اختر عباس مرحوم کے قتل کے شبہ میں علی قاسم کو گرفتار کیا گیا اور پھر چند دن تفتیش کے بعد اسے رہا کر دیا گیا۔ پچھلے دنوں دوبارہ علی قاسم کی گرفتاری عمل میں لائی گئی۔ تھانہ کینٹ کے سب انسپکٹر رانا صابر، سب انسپکٹر حق نواز، کانسٹیبل ناصر اور شوکت نے علی قاسم کی ماں اور بھائی فاروق عثمان سے رہائی کے بدلے میں چار لاکھ روپے کی ایک خطیر رقم مانگی۔ علی قاسم کی والدہ نے بتایا کہ میرے بچے یتیم ہیں۔ ان کے سروں پر والد کا سایہ نہیں ہے۔ اس بیوہ عورت نے کہا کہ میں اتنی بڑی رقم کہاں سے لاؤں۔ وقوعہ سے ایک دن پہلے انسپکٹر رانا صابر اور اس کے ساتھی علی قاسم کے گھر گئے اور فاروق عثمان کو پولیس کی گاڑی میں بٹھا کر شہر میں گھماتے رہے۔ انہوں نے اسے دھمکی دی کہ اگر تم لوگوں نے چار لاکھ کا بندوبست نہ کیا تو ہم تمہیں پولیس مقابلے میں مار ڈالیں گے۔ وقوعہ کے روز فاروق عثمان جب اپنے بھائی کو کھانا دینے تھانے گیا تو رانا صابر نے کہا کہ تم لوگ بڑے گھر کے مالک ہو، اسے فروخت کر کے ہمارے لیے چار لاکھ کا بندوبست کرو۔ ان پولیس اہلکاروں نے اپنا الو سیدھا کرنے کی غرض سے دھمکی دی کہ وہ مقتول کے گلے کی چین اپنے پلے سے ڈال کر علی قاسم کا جرم ثابت کر دیں گے۔

پولیس تشدد کے بارے میں مشہور ہے کہ پولیس کے بدترین تشدد سے خوف زدہ ہو کر بے گناہ افراد بھی جرم کا اقرار کر لیتے ہیں۔ فاروق عثمان جب بھی علی قاسم کے لیے کھانا لے کر حوالات پہنچتا تو پولیس اہلکار اس کے سامنے علی قاسم پر بدترین تشدد کرتے۔ پولیس اہلکار علی قاسم کے ناک کے نتھنوں میں دو باریک پائپ ڈال کر موٹر کے ذریعے پانی کی ایک پوری بالٹی اس کے معدے میں ڈالتے۔ یہاں تک کہ یہ پانی دماغ تک پہنچ جاتا اور نقصان پہنچاتا۔ جس سے علی قاسم ذہنی مریض بنتا جا رہا تھا۔ یہ عمل وہ علی قاسم کے ساتھ تین چار مرتبہ ایک دن میں دہراتے۔ اس عمل سے محسوس ہوتا جیسے علی قاسم ابھی موت کے منہ میں چلا جائے گا۔ فاروق عثمان کے علم میں تھا کہ پولیس نے اختر عباس کے قتل کے شبے میں اور بھی کئی لوگوں کو پکڑا تھا۔ پھر انہیں بھاری رقم کے عوض رہا کر دیا گیا تھا۔ پولیس کے مذکورہ اہلکار چار لاکھ کا بندوبست نہ کرنے پر علی قاسم کے چھوٹے بھائی فاروق عثمان کو بھی دھمکیاں دے رہے تھے۔ انہوں نے فاروق عثمان کو کہا کہ اگر ہمیں رقم نہ ملی تو اب تمہیں بھی گرفتار کر لیں گے۔ یہ ان کی تیسری چوتھی دھمکی تھی۔

یہ سب جانتے ہیں کہ ہماری پولیس اڑتی چڑیا کے پر گن لیتی ہے۔ پولیس اہلکاروں کو معلوم تھا کہ علی قاسم بے قصور ہے اور وہ جلد رہا ہو جائے گا۔ اسی لیے وہ فوری طور پر یہ رقم کا مطالبہ کر رہے تھے۔ خوف زدہ و سہمے ہوئے فاروق عثمان نے تھانے سے گھر پہنچ کر ماں کو تازہ صورت حال سے مکمل طور پر آگاہ کیا اور بتایا کہ اماں پولیس ہمارے پیچھے پڑی ہوئی ہے۔ مجھے بھی دھمکیاں دے رہی ہے، اس لیے ہمیں یہ شہر چھوڑ دینا چاہیے۔ ماں بولی "بیٹا! بس علی قاسم کو رہا ہو کر آنے دو، کیوں کہ میرا بیٹا بے قصور ہے، اور وہ ایک دو روز میں رہا ہو کر آ جائے گا۔ پھر ہم ہمیشہ کے لیے یہ شہر چھوڑ جائیں گے......" وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھنے لگا تو ماں نے کھانے کے لیے اصرار کیا۔ مگر اس نے کھانا کھانے سے انکار کر دیا۔ بجلی جانے پر جب ماں شام کو کمرے کی طرف گئی تو دروازے کو بند پایا۔ وہ سخت پریشانی کے عالم میں دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ جب کھڑکی کی جانب گئی تو دیکھا، فاروق عثمان پنکھے سے جھول رہا ہے۔ پولیس کی دھمکیوں سے خوف زدہ ہو کر فاروق عثمان نے موت قبول کر لی تھی۔ ماں رو رو کر کہہ رہی تھی، مجھے پتہ ہوتا، میں خود مر جاتی، اپنے بیٹے کی جوانی کی بہاروں کو مٹی کی نذر نہ کرتی...... ظلم، تشدد، محرومیاں اور بے حسی کے ردعمل کے طور پر اکثر نوجوان بے راہ روی کا شکار ہوتے ہوئے چور، ڈکیت اور خودکش حملہ آور بن جاتے ہیں یا پھر خودکشی کے راستے کو اپنے لیے منتخب کرتے ہیں۔ پولیس نے حسب موقع اور حسب معمول علی قاسم کو بدترین تشدد کا نشانہ بنایا اور اس کے عزیزوں کو ناکوں چنے چبوائے۔ ہمیں معلوم ہے پولیس کی اپنی ایک ریاست ہوتی ہے۔ اس ریاست میں مجبور، مقہور و مظلوم عوام پر ظلم و ستم کا بازار گرم رہتا ہے۔ یہاں مظلوم کی پکار سننے اور جان و مال کا تحفظ فراہم کرنے پر مامور ذمے داران و اعلیٰ افسران نہ جانے کس دنیا میں مگن رہتے ہیں؟

وزیراعظم پاکستان، وزیراعلیٰ پنجاب اور سٹی پولیس آفیسر کو اس واقع کا سخت نوٹس لینا چاہیے۔ اس درندگی کے مرتکب پولیس اہلکاروں کو قرار واقعی سزا ملنی چاہیے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ علی قاسم کی طرح کے گرفتار شدگان کے عزیز بھی خودکشیوں پر مجبور ہو جائیں۔ علی قاسم اور فاروق عثمان کی چھوٹی بہن نے کہا ہے کہ وزیراعظم پاکستان کو لکھ دیں کہ تمہارے شہر کی پولیس بہت ظالم ہے۔ ان کے خلاف سخت ایکشن لیا جائے۔ بقول شاعر

جب ہوس چار سُو بکھر جائے
آدمی امن کو ترستا ہے
جب زمیں تیرگی سے اٹ جائے
آسماں سے لہو برستا ہے

ہمیں یقین ہے کہ مظلوم کی آنکھیں جاگ کر اللہ تعالیٰ سے بددعا کریں گی اور اللہ تعالیٰ کبھی سوتا نہیں......

سفاک مجرموں کے لیے

رعایت کیوں؟

یاسر محمد خان

وہ 1956ء میں لاہور میں پیدا ہوا۔ اس نے اسلامیہ ہائی اسکول لاہور سے میٹرک اور اسلامیہ کالج ریلوے روڈ لاہور سے ایف اے کیا اور اس کے بعد بزنس سے وابستہ ہوگیا۔ اس نے اسٹیل کی کیسنگ کا کام شروع کیا۔ اس نے یہ بزنس ایک گھر میں شروع کیا اور اس کے لیے محلے کے چھوٹے چھوٹے بچوں کو بھرتی کر لیا۔ وہ ان بچوں سے سولہ، سولہ گھنٹے کام لیتا تھا۔ وہ بلا کا شیطان دماغ تھا۔ وہ ایک ایسا شخص تھا جس کے دل و دماغ پر ہر وقت شیطانیت وار رہتی تھی۔ چنانچہ وہ ان معصوم بچوں سے دن بھر کام لیتا تھا اور انہیں اپنی شیطانی ہوس کا نشانہ بھی بناتا تھا۔ اس کی شیطانیت یہیں تک محدود نہیں تھی۔ وہ مختلف علاقوں سے بچوں کو اٹھاتا، کوٹھی میں لاتا، ان سے مہینہ دو مہینے کام لیتا، ان کو اپنی شیطانیت کا نشانہ بناتا اور بعدازاں انہیں قتل کر کے تیزاب میں پھینک دیتا۔ یوں ان معصوم بچوں کی نعشیں تیزاب میں گل سڑ جاتیں۔ وہ مسلسل بیس برس تک یہ شیطانی کھیل کھیلتا رہا۔ قدرت اس کی رسی دراز کرتی چلی گئی اور ان بیس برسوں میں اس کی عقل، اس کی سوچ، اس کے دماغ اور آنکھوں پر پٹی بندھی رہی۔ وہ ظلم کرتا چلا گیا۔ وہ ایک کے بعد دوسرے، دوسرے کے بعد تیسرے، چوتھے اور پانچویں بچے کو قتل کرتا چلا گیا یہاں تک کہ ان بیس برسوں میں 100 سے زائد بچے اس کے ظلم کی بھینٹ چڑھ گئے۔ یہ 1999ء کا سال تھا۔ ایک دن اس کے دل میں ایک خیال آیا۔ اس نے سوچا وہ بہت بڑا ظالم ہے۔ اس نے 100 معصوم جانیں لے لی ہیں اور پردہ فاش ہو جانے پر وہ کبھی بچ نہیں پائے گا۔ اس نے بیٹھے بیٹھے فیصلہ کیا، اسے اپنے عیبوں اور ظلموں کو خود عیاں کر دینا چاہیے۔ وہ اٹھا اس نے قلم اور کاغذ پکڑا اور ایک ٹوٹا پھوٹا خط لکھا۔ اس نے یہ خط لوکل پولیس اور ایک اخبار کے ایڈریس پر بھیج دیا۔ اس نے خط میں اپنی تمام شیطانی حرکات کا کھلے دل سے اعتراف کیا اور قانون کے تحت سزا بھگتنے کے لیے تیار ہو گیا۔ اس کا یہ خط 30 دسمبر 1999ء کو مختلف اخبارات میں شائع ہوا اور بعدازاں پولیس نے اسے اس کے تین ساتھیوں سمیت گرفتار کر لیا۔ یہ جاوید اقبال نامی ایک شخص تھا جبکہ اس کے دیگر ساتھیوں میں شہزاد، ندیم اور صابر شامل تھے۔ 2 دسمبر 2000ء کو ان لوگوں کے خلاف مقدمہ درج ہوا۔ انہیں عدالت میں پیش کیا گیا اور 16 مارچ 2000ء کو عدالت نے فیصلہ سنا دیا۔ یہ فیصلہ پاکستانی تاریخ کا ایک انوکھا اور سخت ترین فیصلہ تھا۔ عدالت نے

> اسلامی ریاستوں میں قاتل کے پاس صرف دو آپشن ہوتے ہیں، وہ لواحقین کو خون بہا دے دے یا پھر قتل کے بدلے میں قتل ہونے کے لیے تیار ہو جائے۔ کوئی قاضی اور حاکم وقت کسی قاتل کو معاف کر سکتا ہے اور نہ ہی اس کی سزا میں تخفیف کر سکتا ہے

فیصلہ دیا، جاوید اقبال کو بچوں کو جنسی تشدد کا نشانہ بنانے، ان کو قتل کرنے اور ان کی نعشیں تیزاب میں تحلیل کرنے پر 100 مرتبہ سزائے موت اور اس کی لاش کے 100 ٹکڑے کر کے تیزاب میں تحلیل کیا جائے۔ دوسرے مجرم شہزاد کو 98 مرتبہ پھانسی اور 98 ٹکڑے کر کے تیزاب میں پھینکا جائے جبکہ ندیم اور صابر کو 63،63 برس قید پر جیل بھیج دیا جائے۔ یہ پاکستانی تاریخ میں کسی بھی مجرم کو سنائی گئی سب سے زیادہ سزا ہے اور میں آپ کو یہ بھی بتاتا چلوں یہ وہ سزا تھی جس میں ٹرائل کورٹ کے جج نے آئین و قانون کی حدود کو پامال کیا تھا۔ تاہم قبل اس کے کہ جاوید اقبال اور اس کے دیگر ساتھیوں کو یہ سزا دی جاتی، 18 اکتوبر 2001ء کو جاوید اقبال اور اس کے ساتھی شہزاد نے جیل میں ہی خودکشی کر لی۔ یوں اس سزا پر عملدرآمد نہیں ہو سکا۔

قارئین! میں نے جاوید اقبال کا یہ سارا واقعہ آپ سے صرف ایک سوال پوچھنے کے لیے بیان کیا۔ میں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں اگر فرض کرتے ہیں عدالت جاوید اقبال کو 100 مرتبہ پھانسی دینے اور اس کی لاش کے 100 ٹکڑے کر کے تیزاب میں پھینکنے کی سزا سنا کر جیل بھیج دیتی اور دو تین ماہ بعد اس وقت کے وزیراعظم یہ اعلان فرماتے: ”جیلوں میں سزائے موت کے تمام قیدیوں کی سزا کو عمر قید میں بدل دیا جائے۔“ تو کیا یہ درست ہوتا؟ کیا انصاف ہوتا اور کیا یہ ان 100 بچوں کے والدین اور رشتہ داروں کے ساتھ ناانصافی اور ظلم پر ظلم نہ ہوتا؟“ یقیناً یہ ایک ایسی ناانصافی، ایک ایسا ظلم ہوتا جس پر یہ 100 خاندان کبھی خاموش نہ بیٹھتے۔ اور آپ غور کریں، آج اگر وزیراعظم یوسف رضا گیلانی پاکستان کی جیل میں قید سزائے موت کے 7 ہزار قیدیوں کی سزا کو عمر قید میں بدل دیتے ہیں تو اس سے ان 7 ہزار متاثرین کے دلوں پر کیا گزری ہو گی جن کے پیارے، جن کے عزیز ان قاتلوں کے ظلم کا شکار ہوئے؟ میں آپ کو اسی طرح کا ایک اور تازہ ترین واقعہ سناتا ہوں۔ چند روز قبل ایک ادھیڑ عمر شخص میرے پاس آیا۔ اس کے چہرے پر پریشانی کے ڈھیر لگے تھے۔ میں نے اس کی پریشانی کا سبب پوچھا تو وہ کہنے لگا: اس کی ایک چھوٹی بچی تھی۔ محلے کا ایک اوباش نوجوان اس بچی کو تنگ کرتا تھا۔ بچی نے ایک دن گھر آ کر بتا دیا۔ یہ لوگ اس نوجوان کے گھر شکایت لے کر گئے۔ اس شکایت پر وہ اوباش نوجوان ناراض ہو گیا اور اس نے چند دن بعد بچی کو اغوا کر لیا۔ اس کی آبروریزی کی اور اس پر تیل چھڑک کر اسے آگ لگا دی۔ بچی جل کر مر گئی۔ ان صاحب کا کہنا تھا، ان کی بچی کے قتل کے بعد ایک لمبا سلسلہ شروع ہو گیا۔ ان لوگوں کو قاتل کو گرفتار کرانے کے لیے بے شمار مراحل طے کرنا پڑے۔ مقدمہ عدالت میں گیا تو انہیں گواہوں کو سنبھالنے کے لیے بہت بھاگ دوڑ کرنا پڑی۔ وکیلوں کی فیسیں دینے کے لیے انہیں اپنا گھر فروخت کرنا پڑا۔ اس دوران یہ لوگ نوکریوں سے فارغ ہو گئے لیکن یہ لوگ ڈٹے رہے حتیٰ کہ دس برس کی مسلسل کوشش کے بعد ملزم کو پھانسی کی سزا ہو گئی اور یہ لوگ مطمئن ہو گئے کہ اب ان کی مقتول بچی کو انصاف مل جائے گا۔ ان صاحب کا کہنا تھا وزیراعظم کے اس اعلان سے ان کی بچی کے قاتل بچ جائیں گے۔ کیا یہ ہمارے ساتھ ظلم نہیں اور یہ کہاں کا انصاف ہے؟

اب ہم اسی واقعے کو ایک اور زاویے سے دیکھتے

ہیں۔ پاکستان کا شمار دنیا کے ان تین ممالک میں ہوتا ہے جن میں سب سے زیادہ قتل ہوتے ہیں لیکن یہ دنیا کا وہ ملک بھی ہے جس میں سب سے زیادہ بے گناہ لوگ پھانسی لگتے ہیں۔ اس کی وجہ ہمارا سماجی اور جوڈیشل سسٹم ہے۔ ہمارے ملک میں قتل کوئی ایک شخص کرتا ہے لیکن لواحقین رپٹ میں پورے خاندان کا نام لکھوا دیتے ہیں۔ لوگ عدالتوں میں قرآن مجید پر ہاتھ رکھ کر جھوٹی گواہی دے دیتے ہیں۔ عدالتوں اور ججوں کو خرید لیا جاتا ہے اور بھاری فیسوں پر بڑے بڑے وکیل کرائے جاتے ہیں۔ چنانچہ یوں ہر سال درجنوں بے گناہ لوگ پھانسی چڑھ جاتے ہیں۔ ہمارے ملک کے نظام عدل کو دنیا کا مہنگا ترین جوڈیشل سسٹم کہا جاتا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں اس سسٹم میں جب تک آپ لاکھوں روپے خرچ نہیں کرتے اس وقت تک آپ اپنی بے گناہی ثابت نہیں کر سکتے۔ چنانچہ اس ملک میں بے شمار لوگ بے گناہ ہونے کے باوجود صرف سرمائے کی کمی کے باعث بھی موت کی سزا پا جاتے ہیں۔ لہٰذا اگر اس زاویے سے دیکھا جائے تو موت کی سزا کا خاتمہ چند مظلوموں کے لیے ایک ریلیف ہے لیکن انہیں یہ ریلیف دینے کے لیے دوسرے طریقے بھی تھے۔ پاکستان میں پھانسی پانے والے دو تہائی لوگ بے گناہ ہوتے ہیں۔ اگر حکومت سزائے موت کے قیدیوں کی سزا کو عمر قید میں بدل دیتی ہے تو اس سے یقیناً سات ہزار قیدیوں کو فائدہ پہنچے گا اور یوں سات ہزار خاندانوں کو خوشی ملے گی لیکن اس خوشی کے ساتھ ساتھ مقتولوں کے سات ہزار خاندانوں میں صف ماتم بچھ بھی جائے گی۔ ان کے آنسو پونچھنے والا کوئی نہ ہوگا۔ یہاں میں آپ کو یہ بھی بتا دوں دنیا کے 245 ممالک میں سے 64 ممالک میں سزائے موت کا قانون ہے۔ 92 ممالک میں موت کی سزا نہیں۔ 32 ممالک میں موت کی سزا ہے لیکن پچھلے دس برسوں سے اس پر عملدرآمد نہیں ہوا۔ دنیا کے دس ممالک میں صرف خصوصی صورتِ حال میں پھانسی کی سزا دی جاتی ہے اور امریکا کی 14 ریاستوں میں بھی موت کی سزا موجود ہے۔ میں آپ کو یہاں ایک اور دلچسپ بات بتاتا چلوں۔ چین دنیا کا واحد ملک ہے جس میں چوری کی سزا موت ہے۔ چین میں سزائے موت کے مجرموں کے سر میں گولی ماری جاتی ہے اور اس گولی کی قیمت بعد ازاں لواحقین سے وصول کی جاتی ہے اور شاید یہی وجہ ہے دنیا میں سب سے کم چوریاں چین میں ہوتی ہے۔ اب ہم اگر پاکستان اور چین کا تقابل کریں تو ہمیں یہ جان کر حیرت ہو گی چین میں سزائے موت دینے سے چوریاں رک گئیں لیکن پاکستان میں اس وقت قتل کے 55 ہزار مقدمے چل رہے ہیں جبکہ ہماری جیلوں میں سزائے موت کے نو ہزار مجرم قید ہیں اور روزانہ اس ملک میں قتل، قتل کی دھمکیوں اور قتل کی کوششوں کے دو سو کے قریب مقدمے درج ہوتے ہیں۔ گویا پاکستان میں سزائے موت قتل کی وارداتوں کو نہیں روک سکی۔ یہاں پر سوال پیدا ہوتا ہے کیوں؟ اس کی وجہ بڑی آسان ہے۔ دنیا میں سزا کا خوفناک ہونا اتنا اہم نہیں ہوتا جتنا اس کا قطعی ہونا ہوتا ہے۔ چین میں سب کو معلوم ہے اگر اس نے چوری کی تو دنیا کی کوئی طاقت اسے سزا سے بچا نہیں سکے گی لیکن ہمارے ملک میں پچاس، پچاس لوگوں کے قاتلوں کو بھی بچ جانے کی امید ہوتی ہے اور یہ اصل ڈیزاسٹر ہے۔ جب تک کسی ملک میں قانون قطعی اور انصاف شفاف نہیں ہوتا، اس وقت تک اس ملک میں امن قائم نہیں ہوتا اور اگر ہم نے اس ملک میں انصاف کا ایک قطعی، بے لچک اور شفاف سسٹم نافذ نہ کیا تو اس ملک کے معصوم لوگ یونہی بے گناہی کے باوجود پھانسی چڑھتے رہیں گے اور گناہ گار معاف ہوتے رہیں گے۔

لیکن قارئین! ابھی ہمارا اصل سوال باقی ہے۔ ہمارا سوال یہ ہے کہ کیا اسلام میں سزائے موت کو عمر قید میں تبدیل کیا جا سکتا ہے؟ آپ پوری اسلامی تاریخ اٹھا کر دیکھ لیجیے۔ آپ انبیائے کرام علیہم السلام، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور خلفاء رضی اللہ عنہم کے دور کا مطالعہ کر کے دیکھ لیجیے۔ یقین کیجیے کسی اسلامی ریاست میں کسی قاتل کی سزا کو عمر قید میں تبدیل نہیں کیا گیا۔ کسی قاتل کو عمر قید کی سزا نہیں دی گئی اور قاتل کی سزا کسی قاضی، کسی عدالت اور کسی خلیفہ نے معاف نہیں کی۔ ملزم کو اس وقت تک قید میں نہیں ڈالا جا سکتا جب تک اس پر جرم ثابت نہ ہو جائے جبکہ ہمارے ملک میں ملزم چار چار، پانچ پانچ برس تک جیل کی سلاخوں کے پیچھے رہتے ہیں اور اس کے بعد عدالت حکم جاری کرتی ہے: ”مسمی فلاں بن فلاں کو ہم باعزت بری کرتے ہیں۔“ اور جہاں تک اسلام یا اسلامی احکامات کی بات ہے تو اسلام فوری انصاف کا قائل ہے اور اسلامی ریاستوں میں قاتل کے پاس صرف دو آپشن ہوتے تھے: وہ لواحقین کو خون بہا دے دے یا پھر قتل کے بدلے میں قتل ہونے کے لیے تیار ہو جائے۔ لہٰذا اگر ہم بحیثیت مسلمان وزیراعظم کے اس فیصلے کو دیکھیں تو یہ قطعاً غیر شرعی ہے کیونکہ اسلام کی رُو سے کوئی عدالت، کوئی قاضی اور کوئی حاکم وقت کسی قاتل کو معاف کر سکتا ہے اور نہ ہی اس کی سزا میں تخفیف کر سکتا ہے تو ایسی صورتِ حال میں ہمارے وزیراعظم کا یہ فیصلہ یقیناً خلاف شرع ہے جبکہ ایک اسلامی مملکت کے سربراہ کو اسلامی قوانین کی دھجیاں بکھیرنے کی ہرگز اجازت نہیں ہونی چاہیے۔

جب سے وزیراعظم یوسف رضا گیلانی نے ان سات ہزار مجرموں کی سزا کو عمر قید میں تبدیل کیا ہے، میرے ذہن میں ایک سوال بار بار اٹھ رہا ہے اگر کل کلاں محترمہ بے نظیر بھٹو کے قاتل بھی گرفتار ہو جاتے ہیں تو کیا ہمارے وزیراعظم اور ان کی پارٹی ان قاتلوں کو بھی معاف کر دے گی؟ ان کی سزائے موت کو بھی عمر قید میں تبدیل کر دے گی؟ اگر نہیں! تو پھر آپ خود فیصلہ کر سکتے ہیں۔ ان مجرموں کو معاف کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ اسلامی قوانین کو کیوں پامال کیا گیا اور ایک اسلامی ملک میں اسلامی حدود کو کیوں تاراج کیا گیا اور یہ کب تک ہوتا رہے گا؟ یہ سب کچھ کس کو تحفظ دینے کے لیے کیا جا رہا ہے۔ ان چند غلیظ مجرموں کو جو کائنات کے افضل ترین انسان کے خلاف بدزبانی کریں؟ جو بدترین جرم کر کے بھی صاف بچ نکلیں؟ کیا ایسے چند چماروں کو تحفظ دینے کے لیے ہم اپنے قانون، اپنے سماج کا حلیہ بدلنا چاہتے ہیں؟ مجھے ڈر ہے اگر آج ہم اور ہمارے علمائے کرام اسلامی قوانین کی دھجیاں بکھیرنے پر باہر نہیں آتے، ہم احتجاج نہیں کرتے تو وہ دن دور دکھائی نہیں دیتا جب سو سو بچوں کے قاتل دندناتے پھر رہے ہوں گے اور انہیں کوئی پوچھنے والا نہیں ہوگا۔ (بشکریہ ضرب مومن)

ضرورت رشتہ

☆ لاہور میں رہائش پذیر لڑکی، عمر 22 سال، تعلیم انڈر میٹرک، سلائی کڑھائی اور امور خانہ داری میں ماہر، پردے کی پابند کے لیے دینی مزاج کے حامل برسر روزگار نوجوان کا رشتہ درکار ہے۔

برائے رابطہ: 0321-4081729

دعائے مغفرت کی اپیل

- تنظیم اسلامی گوجر خان کے ملتزم رفیق احمد بلال ایڈووکیٹ کے والد وفات پا گئے
- حلقہ سندھ زیریں کے رفیق محمد عاصم حئی کے والد انتقال کر گئے

اللہ تعالیٰ مرحومین کی مغفرت فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ رفقائے تنظیم اسلامی اور قارئین ندائے خلافت سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے

تنظیم اسلامی ہارون آباد کے زیر اہتمام ماہانہ شب بیداری

شب بیداری کا یہ پروگرام 12 اور 13 جون درمیانی شب کو ہوا۔ پروگرام کا آغاز امیر حلقہ منیر احمد کے درس قرآن سے ہوا۔ آپ نے سورۃ العصر کی روشنی میں لوازم نجات پر گفتگو کی۔ نماز عشاء اور کھانے کے وقفہ کے بعد محمد رضوان عزمی نے سیرت صحابہؓ کے حوالے سے گفتگو کی۔ اس کے بعد سونے کا وقفہ ہوا۔ رات کے آخری پہر تہجد کے لیے رفقاء واحباب کو بیدار کیا گیا۔ نوافل کی ادائیگی کے بعد رفقاء سے آخرت کے حوالے سے قرآن مجید کی آیات اور احادیث نبویہ سنی گئیں۔ نماز فجر کے بعد سجاد سرور بھائی نے درس قرآن دیا۔ مسنون دعا پر یہ پروگرام اپنے اختتام کو پہنچا۔ (مرتب: حافظ بشیر احمد)

حلقہ بہاولنگر منچن آباد میں شب بیداری پروگرام

17 اور 18 جون کی درمیانی شب منچن آباد میں شب بیداری کا پروگرام ہوا۔ پروگرام کا آغاز بعد نماز مغرب امیر حلقہ محمد منیر احمد کے درس قرآن سے ہوا۔ انہوں نے بہت سہل انداز میں قرآن کے حقوق اور اُن کی ادائیگی کی صورت میں دنیا و آخرت میں کامیابی کو واضح کیا۔ نماز عشاء کے بعد درس حدیث کی ذمہ داری محمد رضوان عزمی نے نبھائی۔ سیرت صحابہؓ کے حوالے سے تنویر حسین نے حضرت سعید بن عامرؓ کے حالات زندگی پر روشنی ڈالی۔ کھانے اور سونے کے آداب محمد رضوان عزمی نے بیان کیے۔ بعدازاں کھانے اور آرام کا وقفہ ہوا۔ اگلے دن فجر کی نماز کے بعد محمد منیر احمد نے درس قرآن دیا۔ مسنون دعا پر پروگرام اپنے اختتام کو پہنچا۔

اس پروگرام کے منعقد کرنے میں ہمیں شاہد انصاری کا خصوصی تعاون حاصل رہا۔ اللہ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔ اور ہماری اس کوشش کو قبول فرمائے۔ آمین (مرتب: رضوان یزدانی)

تنظیم اسلامی گوجر خان غربی کے زیر اہتمام شب بیداری

21 جون 2008ء بروز ہفتہ بعد نماز مغرب تنظیم اسلامی گوجر خان غربی کے زیر اہتمام شب بیداری کا انعقاد کیا گیا۔ پروگرام کا آغاز تلاوت و ترجمہ قرآن مجید سے ہوا۔ جس کی سعادت عثمان فاروق نے حاصل کی۔

اس کے بعد ساجد حسین نے درس حدیث دیتے ہوئے عہد و پیمان کی اہمیت اور افادیت کو واضح کیا۔ درس حدیث کے بعد راقم نے مذہب اور دین کے فرق کو مذاکرے کے ذریعے پیش کیا اور اس ضمن میں پائے جانے والے اشکالات کے جوابات دیئے۔

رات ساڑھے دس بجے عشاء کی نماز ادا کی گئی جس کے بعد کھانے کا وقفہ کیا گیا۔

دوسری نشست کا آغاز رات گیارہ بجے کیا گیا۔ قاضی عبدالرشید نے نماز جنازہ کی اہمیت، فضیلت اور فرضیت پر سیر حاصل گفتگو کی اور رفقاء کو نماز جنازہ کے مسائل سے آگاہ کیا۔ عثمان فاروق نے رفقاء کے باہمی تعلقات پر ایک مفید لیکچر دیا۔ آخر میں مقامی امیر تنظیم حافظ ندیم مجید نے شب بیداری کی اہمیت کو اُجاگر کیا۔ یہ آرام سے پہلے کا آخری بیان تھا۔

رات کے آخری پہر رفقاء کو جگایا گیا۔ انہوں نے نوافل ادا کیے اور تلاوت کی۔ بعدازاں نماز فجر ادا کی گئی بعدازاں حافظ ندیم مجید نے سورۃ اعراف کے آخری رکوع پر درسِ قرآن دیا۔ ناشتہ کے بعد رفقاء اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہوئے۔

(رپورٹ: اسد اسحاق)

نامے میرے نام

شیعہ علماء کرام کی خدمت میں چند گزارشات

ندائے خلافت کے ایک قاری دانش یار کا مراسلہ

گزشتہ ایک ماہ سے پاکستان کی شیعہ جماعتیں ملک میں مختلف مقامات پر خادم قرآن محترم ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ العالی کے خلاف ہنگامہ خیز مظاہروں میں مصروف ہیں۔ اخباری خبروں سے یہ معلوم کرنا مشکل ہوگیا ہے کہ ہمارے یہ مومن بھائی ڈاکٹر صاحب کی کس بات پر یوں چراغ پا ہیں۔

میں ملتِ شیعہ کے علمائے کرام سے استدعا کرتا ہوں کہ پہلے تو وہ میڈیا اور اخبارات کے ذریعے ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی اس "خطا" سے آگاہ فرمائیں جس کے وہ مرتکب گردانے گئے ہیں۔ پھر یہ واضح کریں کہ آیا علمی اور فقہی مسائل کا حل ہجوم، انبوہ اور مظاہروں کے ذریعے کبھی آئمہ اطہار کا شعار رہا ہے؟ کیا ڈاکٹر صاحب نے کوئی ایسی بات لکھی ہے یا کہی ہے جو 325ھ سے آج 1429ھ کے درمیان عالم اسلام کے مفسرین، فقہاء، محدثین، آئمہ اہل سنت نے نہیں کہی، اور کتب احادیث یا کم از کم صحاح ستہ میں وہ کہیں مذکور نہ ہوئی ہو۔ اگر آپ حضرات کو ڈاکٹر صاحب کی کسی ایسی ہی بات پر تاؤ آ گیا ہے جو پچھلی گیارہ صدیوں سے اُمتِ مسلمہ کی دینی کتب میں اور وہ بھی متعدد زبانوں، خطوں اور ممالک میں مسلسل چھپ رہا ہے، اور مدارس میں پڑھا جا رہا ہے اور مساجد میں درسِ قرآن و حدیث میں بیان ہوتا چلا آ رہا ہے تو کیا یہ موجودہ غلغلہ ہاؤ ہو سے وہ سب صاف یا محو ہو جائے گا۔ اور پاکستان کے علاوہ وہی قدیم، متداول، معروف کتب دنیا بھر سے کوئی اُچک لے جا سکتا ہے؟ آج جن مسائل پر عصر حاضر کی ملتِ شیعہ کے مذہب کا انحصار ہے، ہمارے خیال میں اسلام کے صدر اول کی تین صدیوں میں یہ تذکرے اور مجلسیں یوں نہ ہوتی تھیں۔ ہم شیعہ علمائے کرام سے التماس کرتے ہیں کہ براہ کرم علمی انداز میں قلم اٹھایئے اور مسلمانانِ پاکستان کی رہنمائی کیجئے کہ وہ کون سا ایسا مسئلہ ہے جو نصِ قطعی اور قرآن و سنت کے شواہد سے بہ تواتر متفق علیہ ہے اور اس پر اجماع امت ہے لیکن یکا یک ماہ جون 2008ء میں ڈاکٹر اسرار صاحب نے اُسے اپنی "جدت طرازی اور جودتِ طبع سے" بیان کر کے کوئی انوکھی دل آزار حرکت کر دی ہے۔ اگر یہ بات سامنے آ جائے کہ ڈاکٹر صاحب نے آج دین اسلام میں کسی اُپج سے کام لیا ہے تو اسلامیانِ پاکستان سب ان کا محاسبہ کر لیں گے۔

الیس منکم رجل رشید؟"

براہِ کرم ملتِ اسلامیہ میں انتشار کو کم کرنے میں اپنا وہ کردار پھر دہرایئے جو تاریخ کے نازک موقع پر حضرت حسنؓ ابن حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ادا کیا تھا۔ آنجنابؓ کا امت کے دورِ فتن میں مصالحانہ کردار عالی ظرفی، بلند ہمتی اور مخلوق خدا کو قتل و غارت گری سے بچانے کے لیے ایک روشن مثال ہے۔ تو کیا یہ روشنی (آپ اس قابل سمجھتے ہیں کہ آج) افکار و اعمال کی ظلمتوں کی دبیز رداؤں کو چاک نہیں کر سکتی؟

والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ

خاکسار: دانش یار، لاہور

ترکی میں آئینی جنگ کا آغاز

دنیائے اسلام کے ایک اہم ملک ترکی میں اسلام پسندوں اور سیکولروں کے مابین آئینی عدالت میں جنگ کا آغاز ہوگیا ہے۔ عدالت کے چیف پراسیکیوٹر، عبدالرحمٰن یالشنکیا نے مارچ میں آئینی عدالت میں یہ کیس دائر کیا تھا کہ ترکی کا سیکولر آئین تبدیل کرنے کی کوششوں کے باعث، حکمران پارٹی (جسٹس اینڈ ڈویلپمنٹ پارٹی) پر پابندی لگادی جائے۔

حکمران پارٹی کی طرف سے عدالت میں نائب وزیراعظم جمیل چیچک اور رکن پارلیمان بکر بوداگ نے دلائل پیش کیے۔ یہ دونوں پیشے کے لحاظ سے وکیل ہیں۔ گو دلائل کی تفصیل نامعلوم ہے، مگر ماہرین کا کہنا ہے کہ انہوں نے اپنا مقدمہ انسانی حقوق کے قوانین اور دیگر قانونی نکات پر کھڑا کیا ہے۔ ان کا مدعا یہ ہے کہ مقدمہ سرے سے چلنا ہی نہیں چاہیے۔ بہرحال یہ مقدمہ اب کچھ دیر تک کے لیے چلے گا اور پھر آئینی عدالت کے 11 جج اپنا فیصلہ سنائیں گے۔

آئینی عدالت 1963ء میں قائم کی گئی تھی۔ اس کا مقصد ترک سیکولر آئین میں رد و بدل کو قانونی نظر سے دیکھنا تھا۔ یہ عدالت اب تک 24 سیاسی جماعتوں پر پابندی لگا چکی ہے جن میں سے بیشتر اسلامی تھیں۔ تاہم یہ پہلا موقع ہے کہ پابندی کے سلسلے میں حکمران پارٹی پر مقدمہ کھڑا کیا گیا ہے۔

ماہرین کی رو سے فیصلہ حکمران پارٹی کے خلاف ہوسکتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ پچھلے ہی دنوں آئینی عدالت نے پارلیمان کا منظور کردہ وہ قانون کالعدم قرار دے ڈالا تھا، جس کی رو سے طالبات کو یونیورسٹیوں میں حجاب پہن کر تعلیم حاصل کرنے کی اجازت مل گئی تھی۔

جسٹس اینڈ ڈویلپمنٹ پارٹی کے زیادہ تر ووٹر دیہی ترکی سے تعلق رکھتے ہیں جو آج بھی اسلام کے قریب ہیں۔ نیز پارٹی کے بیشتر ارکان ماضی میں اسلامی جماعتوں میں رہ چکے ہیں۔ پارٹی قیادت کا کہنا ہے کہ وہ آئین میں ان قوانین کو ختم کرنا چاہتی ہیں جو مذہبی آزادی میں رکاوٹ ڈالتے ہیں۔

میڈرڈ میں بین المذاہب کانفرنس

16 تا 18 جولائی کو ہسپانوی شہر میڈرڈ میں ایک بین المذاہب کانفرنس منعقد ہو رہی ہے جس میں دنیا بھر سے مسلم، عیسائی اور یہودی علماء و دانش ور شرکت کریں گے۔ کانفرنس کا اہتمام سعودی عرب کے شاہ عبداللہ نے کیا ہے اور وہی اس کا افتتاح بھی کریں گے۔ شاہ عبداللہ مذاہب کے مابین رابطہ بڑھانے کے سلسلے میں خصوصی طور پر سرگرم عمل ہیں۔

ہالینڈ نے پابندی لگادی

ولندیزی حکومت نے ملکی یونیورسٹیوں کو حکم دیا ہے کہ وہ شعبہ ایٹمی ٹیکنالوجی میں ایرانی طلبہ کو داخلہ مت دیں۔ گو ولندیزیوں نے ایرانیوں پر علم کے دروازے بند کردیے۔ امریکا کی طرح دراصل ڈچوں کو بھی یہ پریشانی لاحق ہے کہ ایرانی ایٹم بم بنانے پر تلے ہوئے ہیں۔ گویا یہ حق صرف امریکا، یورپی ممالک اور ان کے پٹھو (اسرائیل) کو حاصل ہے۔ کوئی مسلمان ایٹم بم بنائے گا، تو اسے جرم سمجھا جائے گا۔ کیا کہنے مغرب کے انصاف کے!

یورپی کمپنیوں کا "کارنامہ"

عالم اسلام میں یورپی اشیاء ہاتھوں ہاتھ خریدی جاتی ہیں کیونکہ سمجھا جاتا ہے کہ ان کا معیار بڑا بلند ہوتا ہے۔ اب خود یورپی پولیس ہی نے اس معیار کا پول کھول دیا ہے۔ دو سال قبل اٹلی میں ایک صارف نے مقامی حکومت کو درخواست دی تھی کہ اس نے جو پنیر خریدی، اس میں سے بدبو آرہی تھی۔ مقامی حکومت نے صارف کی شکایت پر پنیر ساز کمپنی کے خلاف پولیس میں درخواست دے ڈالی۔

روم کی پولیس دو سال تک تفتیش میں مصروف رہی اور یہ برطانیہ، جرمنی اور آسٹریا تک پھیل گئی۔ اب روم کے مشہور اخبار La Republica نے خبر دی ہے کہ پچھلے دو برس کے دوران "چالیس سے زائد" اطالوی، جرمن، برطانوی اور آسٹریائی پنیر ساز کمپنیوں نے 11 ہزار ٹن سے زیادہ سڑی بسی پنیر تازہ پنیر میں ملائی، اور اس سے انہوں نے ایک کروڑ یورو کمائے۔ اس سڑی بسی پنیر میں چوہوں کی مینگنیاں، ڈبوں کے لیبل، شاپروں کے ٹکڑے بھی شامل تھے مگر انصاف اور سچائی کی دعوے دار کمپنیوں نے یہی اشیاء اپنے صارفین کو کھلا دیں۔ یہ ہے یورپی کمپنیوں کا وہ معیار جس پر ہم آنکھیں بند کرکے بھی اعتبار کرلیتے ہیں۔

مقبوضہ کشمیر میں احتجاج جاری ہے

طویل عرصے بعد آخر ظلم کی چکی میں پستے ہوئے کشمیری جاگ اٹھے ہیں۔ اب کوئی بھی واقعہ ان کے لیے تپتے جذبات نکالنے کا بہانہ بن جاتا ہے۔ وہ پھر بھارتی حکومت کے خلاف جلسے کرتے، جلوس نکالتے اور جی بھر کر نعرے لگاتے ہیں۔

5 جولائی کو سری نگر کے مشہور مزار، جناب صاحب میں دھماکہ ہوا اور ایک حصے میں آگ لگ گئی۔ دیکھتے ہی دیکھتے پورے شہر میں یہ خبر پھیل گئی کہ پولیس نے مزار کو آگ لگانی چاہی ہے۔ فوراً ہزاروں کشمیری سڑکوں پر نکل آئے اور انہوں نے سپاہیوں سے دوبدو مقابلہ کیا جن میں بیشتر ہندو تھے۔ اس سے پہلے 4 جولائی کو بھی کشمیری عوام اور پولیس کا ٹاکرا ایک جلوس کے دوران ہوا تھا۔ یہ جلوس شری امرناتھ مندر ٹرسٹ کو 100 ایکڑ زمین دینے کا فیصلہ واپس لینے کی خوشی میں نکالا گیا تھا۔

مقبوضہ کشمیر میں بھارتی حکومت کے خلاف احتجاج کی تازہ لہر اس بات کا کھلا ثبوت ہے کہ کشمیری مسلمانوں نے بھارت کا جابرانہ قبضہ تسلیم نہیں کیا۔ بھارتی حکومت انہیں رام کرنے کے لیے چاہے جتنے مرضی اقدامات کرلے، کشمیری مسلمان کبھی اس کا غاصبانہ قبضہ تسلیم نہیں کریں گے۔ اُن کی تحریک حریت ان شاء اللہ جاری رہے گی۔

ظلم جب حد سے گزر جائے

پچھلے ہفتے مشرقی بیت المقدس میں مقیم ایک 30 سالہ فلسطینی نوجوان حسام دعواۃ بل ڈوزر میں بیٹھا اور سڑکوں پر آکر اسرائیلیوں کی دوڑتی بھاگتی گاڑیوں پر اُسے چڑھانے لگا۔ اس غیر متوقع حملے کی زد میں آکر 3 اسرائیلی ہلاک ہوگئے۔ بعد کو اسرائیلی پولیس نے حسام کو گولی مار کر ہلاک کردیا۔

توقع کے مطابق اسرائیلی اور مغربی ذرائع ابلاغ اس فلسطینی نوجوان کو ظالم، پاگل، نفسیاتی مریض اور دیگر گھٹیا القابات سے نواز رہے ہیں مگر کسی نے یہ جاننے کی کوشش نہیں کی کہ آخر ایک تیس سالہ نوجوان یہ انتہائی قدم اٹھانے پر کیوں مجبور ہوگیا؟ یہ بات یقینی ہے کہ اپنے وطن پر یہودیوں کو قابض دیکھ کر اس کا خون کھول اٹھتا ہوگا۔ کوئی حساس انسان طویل عرصہ غلامی کی زندگی بسر نہیں کرسکتا۔

اب اسرائیلی حکومت کو خطرہ ہے کہ مشرقی بیت المقدس میں مقیم دیگر مسلمان بھی کسی وقت اسرائیلیوں کے خلاف کارروائی کرسکتے ہیں۔ لہٰذا ان کے گرد گھیرا تنگ کردیا گیا ہے اور ان کی کڑی نگرانی ہو رہی ہے۔

عبرت آموز واقعہ

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے رسول مقبول ﷺ کو ایک واقعہ سنایا کہ ایک شخص پہاڑ کی چوٹی پر پانچ سو برس تک عبادت کرتا رہا۔ اس پہاڑ کے چاروں جانب کھاری پانی تھا۔ اللہ نے اس کے لیے پہاڑ میں چھوٹا سا چشمہ میٹھے پانی کا نکال دیا اور ایک انار کا درخت پیدا فرما دیا۔ روزانہ وہ انار کھاتا اور میٹھا پانی پیتا، اسی سے وضو کرتا۔ اس نے اللہ سے دعا کی، اے اللہ! میری روح سجدہ میں قبض فرمانا۔ اللہ نے اس کی دعا قبول فرمائی۔ حضرت جبرائیلؑ نے کہا، ہم آسمان سے اُترتے اور چڑھتے وقت اس کے پاس سے گزرتے تو اس کو سجدہ میں پاتے۔ آگے جبرائیلؑ ہی فرماتے ہیں کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ اس کے لیے فرمائے گا: میرے بندہ کو میری رحمت کی وجہ سے جنت میں داخل کر دو۔ وہ بندہ کہے گا، نہیں بلکہ میرے عمل کی وجہ سے۔ حکم ہوگا، میری نعمتوں کا اس کے عمل سے موازنہ کرو۔ چنانچہ موازنہ کے نتیجہ میں پانچ سو برس کی عبادت صرف نعمت بصر (آنکھ) ہی کے مقابلہ میں ختم ہو جائے گی۔ حکم ہوگا، میرے بندہ کو دوزخ میں لے جاؤ۔ چنانچہ فرشتے لے کر چلیں گے۔ کچھ دور چلنے کے بعد وہ بندہ عرض کرے گا۔ یا اللہ! مجھے اپنے فضل سے جنت میں داخل فرما دیجئے۔ حکم ملے گا، واپس لاؤ۔ واپس لا کر اللہ کے سامنے کھڑا کر کے اس سے یہ چند سوالات کیے جائیں گے۔

س: اے بندہ تجھے کس نے پیدا کیا؟

ج: یا اللہ! آپ نے

س: یہ کام تیرے عمل سے ہوا یا میری رحمت سے؟

ج: آپ کی رحمت سے

س: تجھے پانچ سو برس کی عبادت پر قوت اور توفیق کس نے دی؟

ج: یا اللہ! آپ نے

س: سمندر کے درمیان پہاڑ پر کس نے پہنچایا؟ کھاری پانی کے بیچ میٹھے پانی کا چشمہ کس نے نکالا؟ انار کا درخت کس نے پیدا کیا؟ تیری درخواست کے مطابق سجدہ میں تیری روح کس نے نکالی؟

ج: اے پروردگار! آپ نے۔

ارشاد باری ہوگا، یہ سب کچھ میری رحمت سے ہوا اور اپنی رحمت ہی سے تجھے جنت میں داخل کرتا ہوں۔

قرآن کا پیغام — خلافت کا قیام

تنظیم اسلامی کی پیش کش

امیر تنظیم اسلامی حافظ **عاکف سعید** صاحب

یا دیگر مرکزی ذمہ داران تنظیم کا

مرکزی خطابِ جمعہ

جو بالعموم تذکیر بالقرآن، حالات حاضرہ پر تبصرے اور آئندہ کے لائحہ عمل پر مشتمل ہوتا ہے

اب آپ ہر ہفتے اپنی جگہ پر سُن سکتے ہیں

جن شہروں میں کوریئر سروس موجود ہے وہاں بذریعہ کوریئر بصورت دیگر ڈاک کے ذریعے اس خطاب کا کیسٹ اگلے ہی دن یعنی ہفتے کے روز آپ کے پتے پر ارسال کر دیا جائے گا۔ (ان شاء اللہ)

ممبر بنیں اور استفادہ کریں

سالانہ ممبر شپ فیس۔ 750 روپے — TDK کیسٹ

مرکز تنظیم اسلامی میں نقد، منی آرڈر یا پھر ڈرافٹ کے ذریعے رقم جمع کروائیں اور رسید حاصل کریں

نوٹ: یہی خطاب جمعہ بذریعہ Internet ہماری ویب سائٹ www.tanzeem.org سے براہ راست یا Download کر کے بھی سنا جا سکتا ہے۔

تنظیم اسلامی

A/67 علامہ اقبال روڈ گڑھی شاہو لاہور

مزید معلومات کے لئے درج ذیل نمبرز پر رابطہ کیا جاسکتا ہے۔

فون نمبرز: 6316638/6366638 فیکس: 6271241

Email:markaz@tanzeem.org

websit:www.tanzeem.org

صدر مؤسس مرکزی انجمن خدام القرآن و بانی تنظیم اسلامی

ڈاکٹر اسرار احمد

کے پانچ خطبات جو سالانہ محاضرات ۱۹۹۱ء میں دیے گئے

حقیقت ایمان

تسوید و ترتیب: مولانا ابو عبدالرحمٰن شبیر بن نور

اہم موضوعات: ○ ایمان کا لغوی اور اصطلاحی مفہوم ○ ایمان کا موضوع ○ قانونی اور حقیقی ایمان کا فرق اور ان کے ضمن میں کلامی مباحث ○ ایمان و عمل کا باہمی تعلق ○ ایمان اور نفاق ○ ایمان حقیقی کے سرچشمے

اشاعت خاص: 120 روپے — اشاعت عام: 60 روپے

علماءِ اہلِ سنت کی مشترکہ پریس کانفرنس

7 جولائی 2008ء بمقام پریس کلب لاہور

اس پریس کانفرنس میں مرکزی کردار جماعت اسلامی کے مرکزی رہنما لیاقت بلوچ صاحب نے ادا کیا، نہ صرف یہ کہ مندرجہ ذیل بیان پڑھ کر سنایا بلکہ صحافیوں کے سوالات کے جوابات بھی دیے۔ دیگر شرکاء میں مولانا عبدالرؤف فاروقی، مولانا خورشید گنگوہی، مولانا عبدالرؤف ملک، مولانا شمس الرحمٰن معاویہ، مفتی خلیل الرحمٰن حقانی کے علاوہ امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید اور محترم ایوب بیگ مرزا شامل تھے، مزید براں جماعۃ الدعوۃ کے مولانا امیر حمزہ، بریلوی مکتب فکر کے مولانا عبدالشکور رضوی، اہلحدیث مکتب فکر کے معروف رہنما ابتسام الٰہی ظہیر بھی اس پریس کانفرنس میں شرکت کے لیے تشریف لائے تھے لیکن تاخیر سے پہنچے

معزز صحافی حضرات! ملک کی موجودہ صورت حال نہایت ابتر ہے اور ہر سطح پر بے چینی‘ افراتفری‘ فساد مسلسل بڑھتا جا رہا ہے۔ ملکی و قومی سلامتی‘ آزادی‘ خودمختاری کے لیے حقیقی معنوں میں خطرات پیدا ہو گئے ہیں۔ ملک میں منظم سازش اور خاص منصوبہ کے تحت لسانی‘ علاقائی اور مذہبی منافرت کی آگ بھڑکانے کا کھیل جاری ہے۔ دینی‘ سیاسی‘ سماجی محاذ پر یکجہتی اور اتحاد وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔ کرم ایجنسی‘ پارہ چنار‘ ڈیرہ اسماعیل خان کے بعد منظم سازش کے ساتھ اب اس آگ کو ملک بھر میں پھیلایا جا رہا ہے۔

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی طرف سے 12 جون کو QTV پر نشر ہونے والے درسِ قرآن پر اہل تشیع حضرات کی طرف سے شدید اضطراب کا اظہار کیا جا رہا ہے۔ ہمیں اہل تشیع کے جذبات‘ احساسات اور اہل بیت سے محبت کا پوری طرح احساس ہے۔ علمائے اہل سنت اور عوام کی بھی حضرت علیؓ اور آلِ رسولؐ کے ساتھ مکمل احترام‘ عقیدت اور محبت کسی بھی شک و شبہ سے بالا ہے۔ اہل سنت اور اہل تشیع قرآن و سنت کی تعلیمات کی روشنی میں انبیاء کرامؑ اور صحابہ کرامؓ اور آلِ رسولؐ کے مقام و مرتبہ سے مکمل طور پر آگاہ بھی ہیں اور کاربند بھی ہیں۔ ان میں سے کوئی کسی کی توہین کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔

قرآن اکیڈمی اور تنظیم اسلامی کے سربراہ‘ داعی قرآن ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کا QTV سے وہ درس قرآن نشر کیا گیا ہے جس کی ریکارڈنگ 12 سال پہلے کی گئی تھی۔ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب اور تنظیم اسلامی کی جانب سے اس ضمن میں مکمل طور پر وضاحت بھی کی گئی ہے اور واضح طور پر کہا گیا ہے کہ اگر اس سے کسی کے جذبات کو ٹھیس پہنچی ہے تو اس پر ان کی جانب سے معذرت کی گئی ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب مبلغ اسلام ہیں اور 50 سال سے عامۃ الناس کے سامنے قرآن و سنت کی تعلیمات عام کرنے کا فریضہ سرانجام دے رہے ہیں۔ انہوں نے ہمیشہ قرآن و سنت کے احکامات اور تعلیمات کی اشاعت کی جس پر تمام مسالک اور مکاتب فکر کا علمی اور فکری اتفاق ہے۔ نیز ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے قرآن و سنت کی تعلیمات اور احکامات سے کبھی انحراف نہیں کیا۔

ہم تمام دینی جماعتوں خصوصاً اہل تشیع حضرات سے اپیل کرتے ہیں کہ یہ وقت ایک دوسرے کے خلاف پروپیگنڈہ کرنے اور اشتعال انگیزی کا نہیں۔ اس سے دین دشمن قوتوں کو فائدہ ہوگا۔ اس طرح انہیں اسلام کو ضعف پہنچانے کے مذموم ایجنڈے میں کامیابی کا احتمال پیدا ہوگا۔ ہم اہل تشیع کے علماء‘ قائدین اور اہل علم سے اپیل کرتے ہیں کہ عالمی حالات کے تناظر میں باہمی اتحاد کو فروغ دیں اور اختلاف کو شدت کی بجائے بات چیت اور افہام و تفہیم سے حل کیا جائے۔ اشتعال انگیزی اور شدت کسی کے لیے بھی مفید نہیں ہے۔ اہل تشیع اور اہل سنت کے اہل علم حضرات پر مشتمل مشترکہ کمیٹی تشکیل دی جائے‘ جو ایسے معاملات کے حل اور تصفیہ کے لیے مناسب حل اور لائحہ عمل ترتیب دے۔ ہم وفاقی حکومت خصوصاً مسلم لیگ (ن) کے صدر اور وزیر اعلیٰ پنجاب سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ اس صورت حال کا نوٹس لیں اور شدت جذبات کو خوفناک شکل اختیار کرنے سے روکنے کے لیے حکومتی سطح پر مفاہمت اور یکجہتی کے لیے کردار ادا کریں۔

اس وقت پاکستان کی ایٹمی صلاحیت خطرات کی زد میں ہے۔ فوجی حکمران جنرل پرویز مشرف نے ایٹمی صلاحیت کے تحفظ کی بجائے بیرونی دباؤ پر غلط حکمت عملی اختیار کر کے ملک و ملت کے لیے مشکلات پیدا کر دی ہیں۔ ایران کے خلاف اقتصادی پابندیاں عائد کرنے کے ساتھ ساتھ عالمی سطح پر امریکہ اور مغربی ممالک ایران کو تنہا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں تاکہ ایران کی ایٹمی سائنسی تحقیقات پر پابندی عائد کی جائے۔ اسی طرح کے حیلے بہانوں سے اب افغانستان کے بعد ایران پر حملہ کی تیاریاں کی جا رہی ہیں۔ اس صورت حال میں پاکستان میں شیعہ سنی اختلاف کو ہوا دینا مناسب نہ ہوگا اور یہ امریکی منصوبہ کو کامیاب کرانے کے مترادف ہوگا۔ اُمت مسلمہ‘ عالم اسلام خصوصاً ایران اور پاکستان کے تعلقات کو ہر صورت میں مضبوط‘ پائیدار‘ مستحکم اور بااعتماد رہنا چاہیے۔ پاکستان میں اہل سنت اور اہل تشیع اپنے اتحاد و اتفاق کے ذریعے دشمن کی ہر سازش کو ناکام بنا دیں۔

معزز صحافی حضرات! ہم نے طے کیا ہے کہ اہل سنت کے نمائندہ علماء کرام کا وفد اہل تشیع کے علماء اور قائدین سے ملاقات کرے گا اور ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے حوالے سے پیدا ہونے والی صورت حال کو دینی جذبہ کے ساتھ حل کرانے کی کوشش کرے گا۔